الھدیٰ (205)

ڈاکٹر اسرار احمد

سورۃ النساء (آیت 59)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِؕ ذٰلِكَ خَیْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِیْلًا۠﴾

''مومنو! اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کی فرمانبرداری کرو اور جو تم میں سے صاحب حکومت ہیں اُن کی بھی۔ اور اگر کسی بات میں تم میں اختلاف واقع ہو تو اگر اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو اُس میں اللہ اور اُس کے رسول ﷺ (کے حکم) کی طرف رجوع کرو۔ یہ بہت اچھی بات ہے اور اس کا مآل (انجام) بھی اچھا ہے۔''

اے اہل ایمان! اللہ کی اطاعت کرو، رسول کی اطاعت کرو اور اولوالامر کی۔ سمجھنے کی بات ہے کہ یہاں تین کی اطاعت آئی ہے مگر ''اَطِیْعُوْا'' کا لفظ دو کے ساتھ آیا ہے تیسرے کے ساتھ نہیں۔ حالانکہ ایک ہی دفعہ ''اَطِیْعُوْا'' آتا اور تینوں کو Cover کر جاتا یا ''اَطِیْعُوْا'' دو کے ساتھ آیا تو تیسرے کے ساتھ بھی آتا۔ ''اَطِیْعُوْا'' کا لفظ دو کے ساتھ آنا اور تیسرے کے ساتھ نہ آنا ظاہر کر رہا ہے کہ اللہ کی اطاعت غیر مشروط، مطلق اور any limit without ہے۔ اسی طرح رسول کی اطاعت بھی ہے، لیکن اولوالامر کی اطاعت اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کے تابع ہو گی۔ اولوالامر جو حکم دے گا اُسے بتانا ہوگا کہ یہ حکم قرآن و سنت سے لیا گیا ہے یا کم از کم یہ ثابت کرنا ہوگا کہ یہ کتاب و سنت کے خلاف نہیں۔ آج کے دور میں کانگرس ہو، مجلس ملی ہو یا قانون ساز اسمبلی ہو، قانون سازی کر سکتی ہے، مگر یہ قرآن و سنت کے خلاف نہیں ہو سکتی۔ دوسرے یہ کہ اولوالامر تم ہی میں سے ہو یعنی مسلمان ہو۔ غیر مسلم کی حکومت کے ساتھ ''reconcile'' کرنا اللہ سے بغاوت ہے۔

پھر اگر تمہارا کسی معاملے میں جھگڑا ہو جائے۔ اولوالامر کہے کہ میں اس حکم کو اسلام کے عین مطابق سمجھتا ہوں۔ آپ سمجھتے ہوں کہ نہیں، یہ خلاف شریعت ہے، اب ایسی نزاعی صورت میں حکم ہے کہ ﴿فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ﴾ یعنی ''معاملہ اللہ اور رسول کی طرف لوٹا دو''۔ مطلب یہ ہے کہ کسی کی پسند، کسی کا خیال، کسی کا نظریہ نہیں چلے گا۔ جو بھی اپنی بات ثابت کرنا چاہتا ہے، اسے اللہ اور اُس کے رسول سے دلیل لانی پڑے گی۔ اللہ اور اس کے رسول کی مرضی ہی فیصلہ کن ہو گی۔ اب ایک سوال یہ رہ جاتا ہے کہ کون فیصلہ کرے گا کہ کس کی رائے صحیح ہے اور کس کی غلط، کس کا نقطہ نظر شریعت کے مطابق ہے اور کس کا شریعت سے متصادم۔ تو آج کی ریاست میں یہ ظاہر ہو چکا ہے کہ یہ ''Judiciary'' کا کام ہے۔ حضور ﷺ کے زمانے میں عرب کے اندر اسلامی ریاست قائم ہوئی۔ اُس دور میں انتظامیہ، عدلیہ اور مقننہ کے ادارے علیحدہ علیحدہ نہیں تھے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہد خلافت میں بھی ایسا ہی رہا۔ حضرت عمرؓ نے پہلی دفعہ شعبۂ قضاء شروع کیا، پھر رفتہ رفتہ یہ ادارے ''Develop'' ہوئے۔ جدید دور میں یہ کام عدلیہ کا ہے کہ وہاں ہر شخص جائے۔ علماء جائیں، ماہرین قانون جائیں، عوام جائیں اور اپنے موقف کے حق میں دلائل دیں۔ وہاں فیصلہ ہو جائے گا کہ واقعی فلاں کی رائے قرآن و سنت کے مطابق ہے اور فلاں کی روح شریعت کے خلاف!

آخر میں فرمایا کہ اگر تم واقعی اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو تمہیں یہی طرز عمل اختیار کرنا چاہیے۔ یقیناً یہ بہت بہتر بھی ہے اور نتائج کے اعتبار سے بھی بہت ہی مفید ہے۔

فرمانِ نبویؐ

چودھری رحمت اللہ بٹر

روزہ دار زبان کو قابو میں رکھے

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ((اِذَا كَانَ یَوْمُ صَوْمِ اَحَدِكُمْ فَلَا یَرْفُثْ وَلَا یَصْخَبْ، فَاِنْ سَابَّهٗ اَحَدٌ اَوْ قَاتَلَهٗ فَلْیَقُلْ اِنِّیْ صَآئِمٌ)) (متفق علیه)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: ''اگر تم میں سے کوئی روزہ سے ہو تو اسے چاہیے کہ فحش نہ بکے، جہالت و گناہ کی باتیں نہ کرے، اگر کوئی اس سے فحش بات کہے، یا جہالت سے پیش آئے یا جھگڑے پر آمادہ ہو تو اسے کہہ دینا چاہیے کہ میاں میں روزے سے ہوں!

دارالمطالعہ قرآن اکیڈمی
نمبر
۳۶ کے ماڈل ٹاؤن لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اداریہ

ایوب بیگ مرزا

عراق کا آئین نو

امریکی سنگینوں کے سائے میں قائم ہونے والی عراقی پارلیمنٹ جو ابھی تک امریکی ٹینکوں میں محصور ہے 18 اور 21 اگست کی ڈیڈ لائن کراس کرنے کے بعد بالآخر عراق کے لئے نئے آئین کی منظوری دینے میں کامیاب ہو گئی ہے۔ اب 15 اکتوبر کو اس آئین پر عوامی ریفرنڈم ہو گا۔ اللہ اللہ وہ امریکہ جو دنیا بھر میں اسلام کے خلاف برسر پیکار ہے عراقیوں کا یہ مطالبہ تسلیم کرنے پر مجبور ہو گیا ہے کہ آئین کا سب سے بڑا ماخذ اسلام ہوگا۔ اگرچہ آیت اللہ سیستانی اور پارلیمنٹ میں ان کے حامیوں کی اکثریت اور سنی نمائندے اس بات کے خواہش مند تھے کہ اسلام کو قانون سازی کا واحد منبع اور ذریعہ (source) تسلیم کیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ 15 اکتوبر کے ریفرنڈم میں عوام اس آئینی مسودے کی توثیق شاید نہ کریں۔

اگرچہ اس آئینی مسودے کی تفصیلات سامنے آنے پر ہی یہ رائے دی جاسکتی ہے کہ آئین میں اسلام کو کیا مقام اور کردار دیا گیا ہے البتہ یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ عوامی دباؤ اور قربانیوں سے امریکہ عراق کو ایک خالص سیکولر آئین دینے میں بری طرح ناکام ہوا ہے۔ اس سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ ایک مسلمان ملک میں عوام اگر طے کر لیں کہ وہ اپنی اسلامی شناخت اور تشخص کو اوجھل نہیں ہونے دیں گے تو اپنی فوج کیا غیر ملکی قابض فوجیں بھی ان کے راستے میں حائل نہیں ہوسکتیں۔ مسودہ آئین میں اسلام کو عراق کا سرکاری مذہب قرار دیا گیا ہے اور یہ بھی اعلان کیا گیا ہے کہ Islam will be the main source of legislation یعنی اسلام قانون سازی کا اہم ترین ذریعہ ہوگا۔ ایسا اس لیے کیا گیا کہ اس کے بغیر آیت اللہ سیستانی کا تعاون ناممکن تھا۔ البتہ سنی مسلمانوں نے بھی مزاحمت کے ذریعے امریکیوں کو جھکنے پر مجبور کیا۔

امریکہ کی پرانی خواہش ہے کہ عراق کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا جائے' اسی لیے جب سینئر بش نے عراق پر حملہ کیا تھا تو بغداد حکومت کے لئے شمالی اور جنوبی عراق کو ''نوفلائی زون'' قرار دے کر کسی قدر خود مختار بنانے کی کوشش کی تھی۔ اصل ہدف اس وقت بھی یہی تھا اور اب بھی یہی ہے کہ مصر کے سرنگوں ہونے کے بعد عراق مشرق وسطیٰ کا واحد ملک رہ جاتا ہے جو کل کلاں اسرائیل کے لئے خطرناک ثابت ہوسکتا ہے' لہٰذا اس کے حصے بخرے کر دیئے جائیں۔ سنی مسلمان اس امریکی سازش کا ڈٹ کر مقابلہ کر رہے ہیں۔ الحمدللہ مقتدیٰ الصدر کی قیادت میں شیعہ مسلمانوں کی بھاری اکثریت بھی ان کا ساتھ دے رہی ہے۔ سفید سامراج عراق میں شیعہ سنی فسادات کرانے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہا ہے۔ حال ہی میں عراقی عوام نے دو برطانوی فوجیوں کو شیعہ اجتماع میں دھماکہ خیز مواد لے جاتے ہوئے رنگے ہاتھوں پکڑا ہے۔

نئے آئین میں جو اختلافات باقی رہ گئے تھے وہ امریکہ نے بندوق کی نوک پر ختم کرائے ہیں۔ سنی مسلمانوں نے انتخابات کا بائیکاٹ کیا تھا لیکن امریکہ نے پکڑ دھکڑ کر 15 سنی مسلمانوں کو پارلیمنٹ کا ممبر بنا دیا تھا۔ ان کی اکثریت اس آئین سے لاتعلقی کا اظہار کر رہی ہے۔ حیران کن بات یہ ہے کہ اس زبردستی پر مقتدیٰ الصدر کے حامیوں نے جلوس نکالا۔ اس جلوس میں حاضری ایک لاکھ افراد سے تجاوز کر گئی۔ امریکیوں کی اصل ناکامی یہ ہے کہ بدامنی' خون ریزی اور امریکہ کے تحکمانہ رویے سے وہ صدام مقبول لیڈر بن گیا ہے' جس کے آمر اور ظالم ہونے میں دو رائے نہیں تھیں۔ اس نے صرف کردوں اور شیعوں ہی کو نہیں بلکہ اپنے مخالف سنی مسلمانوں کو بھی نہیں معاف کیا تھا' لیکن اب عوامی تیور دیکھ کر عراق کے موجودہ کٹھ پتلی صدر جلال طالبانی نے یہ کہہ دیا ہے کہ وہ صدام کی پھانسی کے حکم نامے پر دستخط نہیں کریں گے۔ اگرچہ یہ کہنا مشکل ہے کہ وہ اپنے اس عہد پر قائم رہ سکیں گے یا نہیں' شاید اقتدار کی چاٹ انہیں اپنا تھوکا چاٹنے پر مجبور کر دے۔

عراق کو سیکولر آئین دینے میں امریکیوں کی ناکامی سے ہمیں بھی سبق سیکھنا چاہیے کہ اگر کوئی قوم بحیثیت مجموعی حصولِ مشن کے لئے جان کی بازی لگانے پر اتر آئے تو بڑی سے بڑی قوت بھی ٹکراؤ اور تصادم (باقی صفحہ 7 پر)

تا خلافت کی بناء' دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

قیام خلافت کا نقیب

ہفت روزہ — لاہور

ندائے خلافت

جلد 14 — 6 اکتوبر تا 12 اکتوبر 2005ء — 2 رمضان المبارک تا 8 رمضان المبارک — شمارہ 37

بانی: اقتدار احمد مرحوم
مدیر مسئول: حافظ عاکف سعید
نائب مدیر: محبوب الحق عاجز

مجلس ادارت
سید قاسم محمود۔ ایوب بیگ مرزا
فرقان دانش خان۔ سردار اعوان۔ محمد یونس جنجوعہ
نگران طباعت: شیخ رحیم الدین

پبلشر: محمد سعید اسعد' **طابع**: رشید احمد چوہدری
مطبع: مکتبہ جدید پریس' ریلوے روڈ' لاہور

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی:
67-اے' علامہ اقبال روڈ' گڑھی شاہو' لاہور-54000
فون: 6366638 - 6316638 فیکس: 6271241
E-Mail:markaz@tanzeem.org
مقام اشاعت: 36-کے' ماڈل ٹاؤن' لاہور-54700
فون: 5869501-03

قیمت فی شمارہ 5 روپے

سالانہ زرِ تعاون
اندرونِ ملک...... 250 روپے
بیرون پاکستان
یورپ' ایشیا' افریقہ وغیرہ (1500 روپے)
امریکہ' کینیڈا' آسٹریلیا وغیرہ (2200 روپے)
ڈرافٹ' منی آرڈر یا پے آرڈر
''مکتبہ خدام القرآن'' کے عنوان سے ارسال کریں
چیک قبول نہیں کیے جاتے

''ادارہ'' کا مضمون نگار حضرات کی رائے سے پورے طور پر متفق ہونا ضروری نہیں

بالِ جبریل کی سولھویں غزل

یا رب! یہ جہانِ گذراں خوب ہے لیکن — کیوں خوار ہیں مردانِ صفا کیش و ہنرمند؟

گو اس کی خدائی میں مہاجن کا بھی ہے ہاتھ — دنیا تو سمجھتی ہے فرنگی کو خداوند!

تو برگِ گیا ہے نہ دہی اہلِ خرد را — او کشتِ گل و لالہ بہ بخشد بہ خرے چند!

"بالِ جبریل" کے حصہ اوّل میں شامل سولہ غزلوں میں سے ابتدائی پندرہ غزلوں میں سے ہر غزل سات سات اشعار پر مشتمل تھی۔ سولھویں غزل سولہ اشعار پر مشتمل ہے۔ اکثر نقادانِ فن نے اسے غزل ماننے سے انکار کر دیا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ غزل مسلسل ہے۔ بعض کے نزدیک نظم ہے۔ غزلِ مسلسل اور نظم میں فرق ہے' وہ فنی نوعیت کا بھی ہے' لیکن اُس کا سبب زیادہ تر موضوعات کا ہوتا ہے۔ یہاں جو موضوعات چھیڑے گئے ہیں' اُن کو دیکھتے ہوئے کہا جاسکتا ہے کہ یہ نظم ہے۔

یہ نظم اقبال کی اُن قلبی واردات اور نفسیاتی کیفیات کا مرقع ہے جو دنیا کے حالات کا مطالعہ اور مشاہدہ کرنے کے بعد اُن کے دل و دماغ پر طاری ہوئے۔ انہوں نے بظاہر خدا سے شکوہ کیا ہے' لیکن دراصل اُس طبقے کی ترجمانی کی ہے جو علوم وفنون میں کمال رکھتا ہے' لیکن اہلِ دنیا اُن کی قدر و منزلت سے آگاہ نہیں ہیں۔ چونکہ خود اقبال کا تعلق بھی اِسی طبقے سے ہے' اس لیے اِن اشعار میں اُن کا شخصی رنگ جھلکتا ہے۔ احساس کی شدت اور جذبے کی حدت نے طنز کی صورت اختیار کر لی ہے۔ اسی لیے پروفیسر یوسف سلیم چشتی مرحوم کے نزدیک "یہ نظم اقبال کی طنزیہ شاعری کی بہترین مثالوں میں سے ہے۔"

اِس نظم کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ اس میں اقبال نے انتہائی خلوص اور سچائی سے اپنی ذاتی زندگی کی جھلکیاں دکھائی ہیں۔ اگر ہم یہ اشعار غور سے اور بآواز بلند پڑھیں تو ہمیں اُس ذہنی کشمکش کا بڑی حد تک اندازہ ہوسکتا ہے جس میں اقبال اپنی عمر کے آخری حصے میں (ملّتِ اسلامیہ کی غم خواری میں) مبتلا رہے۔

اقبال نے اِس نظم میں اپنی جس ذہنی کشمکش کی طرف اشارے کیے ہیں' وہ ہر اُس عظیم شخصیت کے حصے میں آئی ہے' جس نے بگڑی ہوئی انسانیت کو راہِ راست پر لانے کی کوشش کی ہے' اور اِس کوشش کا نتیجہ اکثر اوقات یہی نکلتا ہے کہ "اپنے" اور "بیگانے" دونوں اس سے خفا ہو جاتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ لوگوں کی روش ہی کچھ ایسی ہے کہ سچی بات انہیں کڑوی اور ناگوار معلوم ہوتی ہے' اس لیے حق گو دنیا والوں کی نظر میں' عزت و تکریم کا مستحق نہیں سمجھا جاتا۔ اس کے برعکس شیطانی راستے کی طرف بُلانے والے کو لوگ عموماً آنکھوں میں بٹھاتے ہیں اور اُس کے قدموں پر اپنی عقیدت کے پھول نچھاور کرتے ہیں۔ لوگوں کی عام روش یہ ہے کہ یہاں عموماً نیکی اور خیر کی کوئی قدر و منزلت نہیں ہوتی۔ ہاں بدی اور شیطانی باتوں کو آسانی کے ساتھ فروغ حاصل ہو جاتا ہے۔

نظم کے مجموعی تعارف کے بعد اب ہر شعر کی الگ الگ تشریح کی جاتی ہے۔

1۔ اقبال خدا کو مخاطب کر کے کہتے ہیں: اے خدا' تیری یہ دنیا ہر لحظہ بدلتی رہتی ہے۔ یہ بظاہر بہت خوب اور دلکش ہے' لیکن یہ بات میری سمجھ میں نہیں آتی کہ اس دنیا میں دیانت دار' راست باز' حق گو' اہلِ ہنر و کمال اِس قدر ذلیل وخوار کیوں ہیں؟ اے میرے خدا! یہ کیا ماجرا ہے کہ جو لوگ علوم وفنون میں اپنا جواب نہیں رکھتے' وہ گمنامی اور مفلسی' کس مپرسی اور بے توقیری کی حالت میں زندگی بسر کرتے ہیں' اور جو لوگ اوّل درجے کے مکار' عیار اور دغاباز ہیں' انہیں شہرت اور دولت' عزت اور وجاہت' غرضیکہ دنیا کی تمام نعمتیں اور سہولتیں حاصل ہیں۔

2۔ دوسرے شعر میں اِسی موضوع کو آگے بڑھاتے ہوئے اقبال کہتے ہیں کہ ہر چند اس دنیا کے معاشی وسائل پر سود خور یہودی سرمایہ دار اور ہندو مہاجن کی اجارہ داری قائم ہے' یہ حقیقت ہے کہ دنیا سیاسی طور پر انگریزی استعمار ہی کو اپنا آقا اور خداوند خیال کرتی ہے۔ اقبال کے زمانے میں برٹش ایمپائر پوری دنیا پر تسلط کیے ہوئے تھی' اس لیے کہا کہ پوری دنیا انگریزوں ہی کو اپنا خداوند سمجھتی ہے۔

3۔ برگ (پتی)۔ گیاہ (گھاس)۔ کشت (کھیتی)۔ خر (گدھا) یہ شعر فارسی زبان میں کہا گیا ہے۔ یوں لگتا ہے کہ اِس شعر میں مضمون باندھا گیا ہے' اُس کے اظہار کے لیے شاعر نے فارسی زبان کو زیادہ مناسب سمجھا ہے۔ یہاں بھی اقبال خدا سے شکوہ کر رہے ہیں کہ تُو اہلِ عقل و حکمت اور باکمال اہلِ ہنر کو گھاس کی پتی سے بھی نہیں نوازتا' اور دوسری طرف ہندوستان پر مُسلط انگریز ہے جو بے وقوف' احمق' خوشامدی' نالائق افراد (گدھوں) کو بڑی بڑی جاگیریں اور بڑے بڑے خطابات عطا کرتا ہے۔

(نظم کی تشریح جاری ہے)

مومنین اور منافقین کا کردار

سورۃ بقرہ کی آیات 204 تا 208 کی روشنی میں

مسجد دارالسلام باغ جناح لاہور میں مرکزی ناظم تربیت تنظیم اسلامی جناب شاہد اسلم کے 23 ستمبر 2005ء کے خطاب جمعہ کی تلخیص

آج مجھے سورۂ بقرہ کی آیات 204 تا 208 کے حوالے سے تین انسانی کرداروں پر گفتگو کرنا ہے۔ایک کردار وہ جو دین کو تباہ کرنا چاہتا ہے۔دوسرا وہ جو دین کی بقا اور قیام اور اللہ کی مرضی کے لیے ہر طرح کی قربانی دے دیتا ہے۔اور تیسرا کردار وہ عام مسلمان ہیں' جو بالعموم پورے دین کی بجائے اُس کے بعض اجزاء پر ہی عمل پیرا ہوتے ہیں۔

آیت نمبر 204 میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ يُّعۡجِبُكَ قَوۡلُهٗ فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا وَيُشۡهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِىۡ قَلۡبِهٖ وَهُوَ اَلَدُّ الۡخِصَامِ ۝﴾ یعنی ''انسانوں میں کوئی تو ایسا ہے جس کی باتیں دنیا کی زندگی میں تمہیں بہت بھلی معلوم ہوتی ہیں اور اپنی نیک نیتی پر وہ بار بار خدا کو گواہ ٹھہراتا ہے مگر حقیقت میں وہ سخت ترین جھگڑالو ہوتا ہے۔مفسرین کا کہنا ہے ان آیات کا انطباق اخنس بن شریق پر ہوتا ہے' جو منافق تھا۔وہ بظاہر بہت ہی لچھے دار گفتگو کرتا' اسلام سے اپنی وابستگی کا اظہار کرتا لیکن در پردہ اُس کا یہود سے رابطہ تھا۔وہ ہمیشہ کوشش کرتا تھا کہ مسلمانوں کے اندر فتنہ و فساد برپا رہے۔

اخنس دراصل ایک نمونے کا کردار تھا۔جس شخص کا طرزِ عمل اور کردار ایسا ہوگا' اُس پر ان آیات کا انطباق ہو سکتا ہے۔ ایسے کردار کے حامل شخص کو ''الد الخصام'' سخت جھگڑالو کہا گیا ہے۔''الدالخصام'' سے ''مراد سخت ترین دشمن'' بھی لیے گئے ہیں یعنی وہ دشمن جو تمام دشمنوں سے زیادہ ٹیڑھا ہو' جو حق کی مخالفت میں ہر ممکن حربے سے کام لے۔کسی جھوٹ' کسی بے ایمانی' کسی غدر و بدعہدی اور کسی ٹیڑھی سے ٹیڑھی چال کو بھی استعمال کرنے میں تامل نہ کرے۔(تفہیم القرآن)

اگلی آیت میں فرمایا: ﴿وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِى الۡاَرۡضِ لِيُفۡسِدَ فِيۡهَا وَيُهۡلِكَ الۡحَـرۡثَ وَالنَّسۡلَؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الۡفَسَادَ ۝﴾: یعنی ''جب اُسے اقتدار حاصل ہوتا ہے تو زمین میں اس کی ساری دوڑ دھوپ اس لیے ہوتی ہے کہ فساد پھیلائے' کھیتوں کو غارت کرے اور نسل انسانی کو تباہ کرے' حالانکہ اللہ (جسے وہ گواہ بنا رہا تھا) فساد کو ہرگز پسند نہیں کرتا''۔''فساد فی الارض'' کے معنی درحقیقت اللہ کی بندگی اور اطاعت کی اس دعوت کی مزاحمت اور مخالفت کرنا ہے جو نبی اکرم ﷺ دے رہے تھے۔آپ ﷺ کی دعوت حق' امن اور رحمت' انسانیت کی دنیاوی اور اخروی بھلائی اور ایک عادلانہ نظامِ زندگی کا پیغام تھا۔ایسی دعوت کے راستے میں مزاحم ہونا بدترین فساد ہے۔یہ ایک ایسا فتنہ ہے جو قتل سے بھی بڑھ کر ہے۔دنیا کے امن و امان اور عدل و انصاف کا انحصار اس بات پر ہے کہ اللہ کے بندے اللہ کی بندگی اور اطاعت میں داخل ہو جائیں۔ایسا کرنے سے شیطان کی دراندازیوں کے راستے بند ہو جاتے ہیں۔اگر ایسا نہیں ہوتا تو حق دب جاتا ہے اور مفسدین غالب آ جاتے ہیں' نتیجتاً نسل انسانی شیطان کی فساد انگیزیوں کی آماجگاہ بنی رہتی ہے۔وہ برابر بغض و عداوت کی آگ بھڑکاتا رہتا ہے' جس کے سبب انسانی جانیں اور وسائل تباہ ہو جاتے ہیں۔یہی قبل از اسلام کا فساد تھا۔اس وقت جبکہ اسلام دنیا میں مغلوب ہو چکا ہے' یہی فتنہ اور فساد پوری دنیا میں پھیل چکا ہے۔ جیسے رب کائنات نے فرمایا: ﴿ظَهَرَ الۡفَسَادُ فِى الۡبَرِّ وَالۡبَحۡرِ بِمَا كَسَبَتۡ اَيۡدِى النَّاسِ﴾ (الروم:۴۱) ''لوگوں کے ہاتھوں کی کمائی سے بر اور بحر میں فتنہ و فساد برپا ہو گیا ہے''۔

انسانی جانوں' اور وسائل و املاک کو تباہ کرنے والے ایسے فسادی کردار کو اگلی آیت میں بطور تنبیہ فرمایا: ﴿وَاِذَا قِيۡلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتۡهُ الۡعِزَّةُ بِالۡاِثۡمِ فَحَسۡبُهٗ جَهَنَّمُؕ وَلَبِئۡسَ الۡمِهَادُ ۝﴾ ''اور جب اس سے کہا جاتا ہے کہ اللہ سے ڈر' تو اپنے وقار کا خیال اس کو گناہ پر جما دیتا ہے۔ایسے شخص کے لیے تو بس جہنم ہی کافی ہے اور وہ برا ٹھکانا ہے۔''

آیت نمبر 207 میں اس کے بالکل برعکس کردار کا ذکر کیا گیا ہے۔فرمایا: ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ يَّشۡرِىۡ نَفۡسَهُ ابۡتِغَآءَ مَرۡضَاتِ اللّٰهِؕ وَاللّٰهُ رَءُوۡفٌ ۢ بِالۡعِبَادِ﴾ یعنی ''دوسری طرف انسانوں ہی میں کوئی ایسا بھی ہے جو رضائے الٰہی کی طلب میں اپنی جان کھپا دیتا ہے۔اور ایسے بندوں پر اللہ بہت مہربان ہے''۔اس آیت کا مصداق بطور خاص حضرت صہیب رومیؓ کو کہا گیا ہے' آپ جب مکہ سے ہجرت کرنے لگے تو مکہ والوں نے انہیں روک لیا۔آپ نے کہا: اے اہل مکہ تم مجھے اس شرط پر چھوڑ دو کہ میں تمہیں اپنا سارا مال دے دیتا ہوں۔میں نے گھر میں فلاں جگہ خزانہ چھپا رکھا ہے' اُسے لے لو اور میری راہ چھوڑ دو۔یہ آیت ان کے بارے میں ہے۔عمومی طور پر اس آیت کا اطلاق ہر اُس شخص پر ہوگا جو اللہ کے دین کی سربلندی' اسلام کے غلبے کے لیے اپنا تن' من' دھن قربان کر ڈالے۔اِس عموم کے اعتبار سے تمام صحابہ کرامؓ کی زندگی اِس کردار کی جیتی جاگتی تصویر ہے۔اُنہوں نے اپنی جان' مال' اولاد' وطن اور جس چیز کی قربانی کا تقاضا کیا گیا' اللہ کی محبت میں' اس کے دین کی سربلندی کے لیے قربان کر دی۔اپنا سب کچھ کھپا اور لٹا کر مکے سے مدینے کی طرف چلے آئے۔منافق ایسے مخلص صحابہؓ کے متعلق کہتے تھے کہ یہ ''سفہاء'' یعنی بے وقوف ہیں۔سورۂ بقرہ کے آغاز میں فرمایا: ﴿وَاِذَا قِيۡلَ لَهُمۡ اٰمِنُوۡا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوۡٓا اَنُؤۡمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ......﴾: (آیت:13) یعنی ''جب ان سے کہا جاتا ہے اس طرح ایمان لاؤ جیسے دوسرے لوگ ایمان لائے' وہ کہتے ہیں کیا ہم ان بے وقوفوں کی طرح ایمان لائیں''۔

ذرا غور کیجئے۔اس دور میں افغان جنگ میں عرب مجاہدین اپنے کاروبار' گھر بار' بیوی بچے اور آرام تج کر افغانستان آئے۔ان کے پیش نظر کیا چیز تھی؟ ظاہر ہے کہ وہ محض رضائے الٰہی کے جذبے کے تحت افغانستان آئے تھے۔ان کے پیش نظر کوئی دنیوی منفعت نہیں تھی بلکہ اسلام کی سربلندی کا عظیم مشن تھا' آج بعض لوگ بڑی آسانی سے انہیں ''ایجنٹ'' کہہ دیتے ہیں۔یاد رکھئے' ایجنٹی کا بدلہ مراعات' مال و دولت اور عیاشیاں ہوتی ہیں' تنگ و تاریک غار نہیں ہوتے۔ملا عمر حق و انصاف کی پروا کئے بغیر اسامہ

بن لادن کو امریکہ کے حوالے کر دیتے تو کیا انہیں اربوں ڈالر نہیں مل سکتے تھے؟ لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا حق و سچائی کی پاسداری کرتے ہوئے اپنا اقتدار اور ہر چیز قربان کر دی۔ یہ ہے کردار ﴿ مَنْ يَّشْرِىْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ﴾ کا مصداق' جو رضائے الٰہی کی طلب میں اپنی جان کھپا دیتا ہے۔

اب ذکر آ رہا ہے عامۃ المسلمین کا۔ ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِى السِّلْمِ كَآفَّةً وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ﴾ "اے ایمان والو تم پورے کے پورے اسلام میں داخل ہو جاؤ اور شیطان کی پیروی نہ کرو کہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے"۔ یعنی پوری زندگی' زندگی کے تمام معاملات میں اللہ کے احکامات اور اس کے رسولؐ کے طرزِ زندگی کی پیروی ضروری ہے' جزوی اطاعت قابل قبول نہیں۔ دین کے کچھ احکامات کو ماننا' اُن پر چلنا اور کچھ کو چھوڑ دینا' یہ شیطان کا راستہ ہے اور شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے۔ یہ طرزِ عمل یہودیوں کا تھا' جس کے سبب اللہ نے "چہیتی" قوم پر ذلت و رسوائی مسلط کی' اور تنبیہ کی کہ جو کوئی ایسا کرے اس کی سزا اس کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے کہ اُسے دنیا میں رسوا کر دیا جائے اور آخرت میں شدید ترین عذاب میں جھونک دیا جائے۔ مفسر قرآن مولانا عبدالماجد دریا آبادی تفسیر ماجدی میں اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں: یہ حکم خاص طور پر قابل غور ہے۔ اسلام صرف چند عقائد یا چند عبادات کا نام نہیں ہے۔ وہ تو ایک جامع نظام حیات ہے' ایک مکمل اور منظم دستور زندگی ہے۔ انسانیت کے ایک ایک شعبے ایک ایک گوشے پر حاوی ہے۔ اس کا جزو اس کے کل سے ہے اور اس کے دوسرے اجزاء سے نہایت درجہ ملحق اور منطبق ہے۔ یہ ہو نہیں سکتا کہ کوئی شخص توحید اسلام سے لے لے لیکن عبادات کے لیے مسجد' کلیسا اور مندر سب کو یکساں سمجھے۔ یہی اکبر نے کیا تھا۔ پس مکمل ضابطہ حیات کی حیثیت سے اسلام میں پیوند کاری کی گنجائش نہیں۔ ایسا نہیں ہو سکتا اللہ کو' ایک مان لیا جائے لیکن معاشیات کے قاعدے کارل مارکس سے لے لیے جائیں' اخلاقیات کے اصول گوتم بدھ سے اخذ کر لیے جائیں' تہذیب و تمدن میں مغربی تہذیب کو اختیار کر لیا جائے۔ نہیں' بلکہ ظاہری و باطنی' انفرادی و اجتماعی' مراسم عبودیت اور معاشرت و تمدن میں بھی اللہ کے دین حق کو اختیار کرنا' اور اپنے آپ کو اُس کے رنگ میں رنگنا ہو گا کہ من احسن اللہ من اللہ صبغة: اللہ کے رنگ سے بہتر رنگ اور کس کا ہو سکتا ہے۔

آیات 204' 205 اور 206 میں جس اسلام دشمن کردار کا ذکر ہے' آج کے دور میں اس کا "symbol" امریکہ ہے۔ امریکہ سب سے بڑا "طاغوت" اور اس دور کا فرعون ہے' جو اسلام کی دعوت حق اور پیغام امن کو مٹانے کے درپے ہے۔ وہ تکبر اور غرور کے نشے میں مست' نام نہاد تہذیب' آزادی اور جمہوریت کے پردے میں اسلام کے غلبے کی تحریک کو سبوتاژ کرنا اور پوری دنیا میں اپنا ظالمانہ طاغوتی نظام لانا چاہتا ہے۔ اس کے زیر اثر اکثر مسلمان حکمران بھی اخنس بن شریق کا کردار ادا کر رہے ہیں۔ وہ سوچے سمجھے بغیر' مجبوری یا ذاتی مفادات کے تحت وہی کچھ کر رہے ہیں' جو امریکہ کہہ رہا ہے۔ جس سے فتنہ و فساد میں اور بھی اضافہ ہو رہا ہے۔

امریکی تکبر اور فرعونیت کی مثال ملاحظہ ہو۔ جن دنوں بیگم عابدہ حسین امریکہ میں پاکستان کی سفیر تھیں' کولن پاول امریکہ کے آرمی چیف تھے۔ اس وقت عراق کی جنگ اور اس کے بعد کے واقعات کے تناظر میں بیگم عابدہ حسین نے ایک محفل میں کولن پاول سے پوچھا: آپ دنیا کو کہتے ہیں ایٹم بم نہ بنائیں' اسلحہ جمع نہ کریں' جبکہ آپ کے پاس ہزاروں ایٹم بم اور اتنا اسلحہ ہے کہ آپ پوری دنیا کو تباہ کر سکتے ہیں۔ پھر آپ دوسروں کو کیوں منع کرتے ہیں؟ کولن

دنیا کے امن و امان کا انحصار اس بات پر ہے کہ اللہ کے بندے اللہ کی بندگی میں داخل ہو جائیں۔ ورنہ حق دب جاتا ہے اور مفسدین غالب آ جاتے ہیں۔ نتیجتاً انسانیت شیطان کی فساد انگیزیوں کی آماجگاہ بنی رہتی ہے

پاول نے کوئی دلیل نہیں دی' اپنی چھاتی پر ہاتھ مارا اور کہا:

"Because we are Americans"

رائٹر نیوز ایجنسی کی ایک رپورٹ کے مطابق دوسری جنگ عظیم میں 2 کروڑ 36 لاکھ اور 30 ہزار فوجی اور تین کروڑ آٹھ لاکھ اور اڑتیس ہزار عام لوگ مارے گئے' یہ کیڑے مکوڑے نہیں' انسان تھے۔ ان کا خون کس کے ہاتھ پر ہے۔ انسانیت کے وسائل کی تباہی کس نے کی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ سب "مہذب" امریکہ کا کیا دھرا ہے۔ بہت سی ویب سائٹس نے بھی ان ہلاکتوں کے متعلق اعداد و شمار دیئے ہیں۔ ان میں ایک ویب سائٹ یہودیوں نے بنائی ہے۔ جس میں انہوں نے بتایا ہے کہ انسانیت پر سب سے زیادہ مظالم عیسائیوں نے ڈھائے ہیں۔ ان ویب سائٹس میں اسلام کا کہیں نام نہیں ہے کہ اہل اسلام نے اِس قدر مظالم ڈھائے ہوں۔

مؤرخین نے عیسائی اقوام کی بربریت کے اعداد و شمار جمع کیے ہیں۔ جب کولمبس نے امریکہ دریافت کیا' اُس وقت وہاں ریڈ انڈین آباد تھے۔ یورپین اقوام امریکہ میں گئیں۔ چونکہ وہ اپنے آپ کو مستحکم کرنا چاہتی تھیں' اس لیے نو کروڑ مقامی ریڈ انڈین کو وحشی قرار دے کر ہلاک کر دیا گیا۔ ان کی زبانیں بھی ختم کر دی گئیں۔ مقامی باشندوں کو جاہل' بت پرست' ملحد' پلید' کیڑے مکوڑے' کتے' بھیڑیئے' بے عقل' گوریلے کے نام دیئے گئے۔ انہیں بھوکا اور پیاسا رکھا گیا۔ جس کی وجہ سے ان کی قوت مزاحمت ختم ہوتی چلی گئی۔ 1948ء میں کیلی فورنیا میں سونا دریافت ہوا۔ جس کی وجہ سے قتل عام میں تیزی پیدا کر دی گئی' تاکہ سونے کے حصہ داروں میں مقامی باشندے شامل نہ ہو سکیں۔ انہیں حق زندگی سے محروم کر دیا گیا۔ اُن سے کہا گیا کہ وہ صرف صورت امریکہ میں رہ سکتے ہیں جب عیسائیت قبول کر لیں۔ اس طرح انیسویں صدی کے آخر تک امریکی استعماری ریاست نے زیادہ تر قبائل کو مٹا ڈالا۔ اور مجموعی طور پر 9 کروڑ ریڈ انڈینز کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ (بحوالہ "ماہنامہ ساحل" اگست 2005) ریڈ انڈینز کے متعلق امریکی صدور کے خیالات سے امریکی ذہنیت کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ صدر جارج واشنگٹن نے حکم دیا کہ "ان وحشی شکاریوں کی آبادیوں کو تباہ و برباد کر دیا جائے' ان کے تمام باقیات کے خاتمے تک امن کا نغمہ سننے کی کوئی ضرورت نہیں"۔ امریکی صدر جارج اینڈ ریوجیکسن کے دور میں ایک قبیلے نے ایک سفید فام عورت کو یرغمال بنا لیا' تو اس کی انتہائی سخت سزا تجویز کی گئی۔ صدر نے حکم دے دیا کہ "مجھے اس میں کوئی جھجک محسوس نہیں ہوتی کہ ان (ریڈ انڈینز) کی آبادیاں برباد اور گھروں کو آگ لگا دی جائے اور ان کے بیوی بچوں پر قبضہ کر لیا جائے"۔ امریکی صدر روز ویلٹ کا کہنا تھا کہ "جنگوں میں عظیم جنگ وہ ہے جو وحشیوں (ریڈ انڈینز) کے خلاف ہے۔"

امریکی استعمار مسلمانوں کے خلاف یہی حربے استعمال کر رہا ہے۔ جیسے ریڈ انڈینز کی نسل کشی کی گئی' انہیں مختلف نام دیئے گئے' اسی طرح آج مسلمانوں کو بنیاد پرست' دہشت گرد' انتہا پسند کے القابات دیئے جا رہے ہیں۔ اُن کا نام و نشان مٹانے کی کوششیں کی جا رہی ہیں۔ بالخصوص وہ مسلمان جو اللہ کے دین کے غلبے کے لیے کام کر رہے ہیں' جو مغربی فکر و فلسفہ' سرمایہ دارانہ نظام' مذہب دشمن اقدار' گمراہ کن نظریات اور انسانی الوہیت اور اقتدار اعلیٰ کے خلاف منظم جدوجہد کر رہے ہیں' جو دنیا سے ظلم و ناانصافی کا خاتمہ کر کے اسے امن و امان' عدل و انصاف کی جنت بنانا چاہتے ہیں' اُن کی نسل کشی کی مہم چلائی جا رہی ہے۔ افغانستان اور عراق پر امریکی حملے اسلام دشمنی اور مسلمانوں کی نسل کشی کی اسی مہم کا حصہ تھے۔ یہ حملے احیاء اسلام کی تحریک کے خاتمے اور عالم اسلام کے معدنی وسائل پہ قبضے کے ناپاک عزائم کے تحت کیے گئے' جن میں مسلمانوں پر بدترین مظالم ڈھائے گئے۔ لاکھوں مسلمان ان مظالم کا نشانہ بنے۔ بچوں کو ہلاک کر دیا گیا۔ خواتین کی عصمت برباد کر دی گئی۔ انسانی آبادیوں پر

بموں کی بارش برسائی گئی۔ اِس سفاکی اور ناانصافی کا اندازہ اِس بات سے بھی کیا جاسکتا ہے کہ عراق پر طاغوتی یلغار سے پہلے ہی پانچ لاکھ بچے اِس بنا پر زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھے کہ عراق پر پابندیاں کی وجہ سے انہیں ادویات اور خوراک میسر نہیں آسکی۔

ہر دور میں اسلام دشمن طاقتیں اسلام اور اہل اسلام کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کے لیے اُن پر حملہ آور ہوتی رہی ہیں۔ ایک دور میں تاتاریوں نے مسلمانوں پر شب خون مارا اور سقوط بغداد کا سانحہ پیش آیا۔ بلاشبہ تاتاری وحشی تھے۔ انہوں نے سفاکیت اور بے دردی سے مسلمانوں کی گردنیں کاٹیں لیکن ان کے پاس کوئی فکر اور فلسفہ نہیں تھا۔ وہ مار دھاڑ کرتے اور حرث و نسل کو تباہ کر دیتے تھے۔ لیکن اسلام نے انہیں زیر کرلیا۔ ایک وقت آیا کہ مسلمانوں کی دعوت پر وہ مسلمان ہو گئے۔ بقول اقبال۔

ہے عیاں فتنہ تاتار کے افسانہ سے
پاسباں مل گئے کعبہ کو صنم خانے سے

ہمارے موجودہ دشمن کا معاملہ تاتاریوں کے بالکل برعکس ہے۔ یہ دعوت سے ماننے والے نہیں۔ اِن کے پاس ایک مکمل باطل نظریہ ہے۔ وہ ہمارے دین کے مدمقابل ایک ''دین'' لے کر آئے۔ ہماری روایات کے مدمقابل روایات لے کر آئے۔ ہمارے نظام کے مدمقابل ایک نظام لے کر آئے۔ وہ ہمیں وحشی سمجھ رہے ہیں۔ ان کا صدر ہماری قرآنی آیات کو ''نفرت انگیز دوا'' کہہ رہا ہے۔

قرآن نے بھی واضح کر دیا کہ ﴿لَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ......﴾ (بقرہ:120) ''یہود و انصاری تم سے اُس وقت تک راضی نہ ہوں گے جب تک کہ تم اُن کے پیچھے نہ چلنے لگو' اُن کی خوشی اِسی میں ہے کہ تم اُن کے باطل فلسفہ اور اُن کی نظریاتی غلامی قبول کر لو' سیکولرازم' کیپیٹل ازم' لبرل ازم' کو دل و جان سے تسلیم کر کے اُن کے مقاصد کے لیے کام کرنے لگو۔

امریکی دہشت گردی کے مقابلہ میں اسلام کا جائزہ لیا جائے تو صاف واضح ہے کہ وہ فی الواقع دہشت گردی اور بربریت کا مخالف ہے۔ وہ تمام انسانیت کے لیے امن و سلامتی کا پیغام ہے۔ جس کا مظہر یہ ہے کہ

1۔ اسلام نے کسی ایک فرد کے قتل ناحق کو پوری انسانیت کا قتل قرار دیا ہے۔

2۔ اسلام نے عادلانہ اصول جنگ عطا کیا ہے۔ جس کے مطابق حربی کافروں کو ہی مارا جائے گا' غیر حربی کافر چاہے مرد ہو یا عورت اُن کو کچھ نہ کہا جائے گا۔ اُن کی املاک' باغات اور بوڑھے لوگوں کو نقصان نہیں پہنچایا جائے گا۔

3۔ اسلام نے محض شک کی بنیاد پر دوسروں کے خلاف کسی قسم کی کاروائی کی اجازت نہیں دی۔

✿✿✿✿✿

بقیہ: اداریہ

سے تنگ آجاتی ہے مرنے والے نہ ٹلیں تو مارنے والا تھک جاتا ہے۔ ضرورت مشن سے اندھا دھند لگاؤ اور استقامت کی ہے۔ اب تو ہمیں تجربہ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ دباؤ' قبول کرنے سے ختم نہیں ہوتا 'بڑھ جاتا ہے۔ آپ کے دیوار سے لگ جانے پر بھی بات ختم نہیں ہوگی بلکہ دیوار کو ہی آپ کا مدفن بنا دیا جائے گا۔ انصاف اور حق کبھی بھیک میں نہیں ملا کرتے اور ننانوے کے چکر میں پڑ جانے والے عزت و ناموس کا سودا بھی کرنے پر تیار ہو جاتے ہیں۔ ضرورت اس نظریہ سے چمٹنے کی ہے جو وہ جذبہ پیدا کر دیتا ہے جس سے باطل نظام میں مرنا آسان اور جینا دوبھر ہو جائے۔ دولت اور اقتدار کی ہوس عملیت پسندی کا درس حکمت کے نام پر دیتی ہے۔ باطل کے راستے کی دیوار بن جانے والے کے جسم کو قتل کیا جا سکتا ہے روح کا کچھ نہیں بگاڑا جا سکتا جبکہ تن آسانیوں کا خواہش مند عملیت پسند کا روپ دھار کر خود اپنی روح کا مقبرہ بن جاتا ہے۔ حکمران اور عوام سمیت ہر پاکستانی کا دینی اور ملی فریضہ ہے کہ وہ امریکہ کی اس خواہش کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رد کر دے کہ پاکستانیوں کے دلوں سے اللہ اور رسول کی محبت اور جہاد کی تڑپ کو کھرچ سکے۔ سوال یہ ہے کہ امریکہ اپنی تمام تر حشر سامانیوں کے باوجود عراق کو ایک سیکولر آئین دینے میں ناکام رہا لیکن پاکستان کو روشن خیال بنانے میں کامیاب نظر آ رہا ہے' آخر کیوں؟ جواب ہے حکمرانوں کی مکروہ عملیت پسندی اور عوام کی تن آسانی!

بندوں پر اللہ کا حق

حضرت معاذ بن جبلؓ فرماتے ہیں کہ میں نبی ﷺ کے پیچھے سواری پر بیٹھا ہوا تھا۔ میرے اور آپ ﷺ کے درمیان صرف کجاوہ کا پچھلا حصہ حائل تھا (یعنی آپ ﷺ کے قریب بیٹھا ہوا تھا) آپ ﷺ نے فرمایا: اے معاذ بن جبل' میں نے عرض کیا یارسول اللہ! میں حاضر ہوں اور آپ ﷺ کے فرمانِ مبارک کی تعمیل کرنے کے لئے تیار ہوں۔ تھوڑی دیر چلنے کے بعد آپ ﷺ نے پھر پکارا ''اے معاذ بن جبل'' میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! (ﷺ) غلام حاضر ہے کیا حکم ہے؟ (لیکن آپ ﷺ نے کچھ نہ فرمایا اور خاموش رہے) اور کچھ دیر چلنے کے بعد آپؐ نے پھر پکارا: اے معاذ بن جبل! میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول (ﷺ) میں حاضر ہوں آپؐ حکم دیں میں تعمیل کروں گا۔ آپؐ نے فرمایا: تم جانتے ہو اللہ کا حق بندوں پر کیا ہے؟ میں نے عرض کیا: اللہ اور اس کا رسول خوب جانتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: اللہ کا حق بندوں پر یہ ہے کہ ''وہ اس کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی دوسرے کو شریک نہ ٹھہرائیں''۔ پھر کچھ دیر چلنے کے بعد آپؐ نے فرمایا: اے معاذ بن جبل! میں نے عرض کیا حضور! غلام حاضر ہے' ارشاد فرمائیے' آپؐ نے فرمایا: جانتے ہو بندوں کا حق اللہ پر کیا ہے' جب وہ اس کی بندگی کریں اور کسی کو اس کا ساجھی نہ بنائیں۔ میں نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا ان کا حق یہ ہے کہ وہ انہیں سزا نہ دے۔

قیامت کے دن آدمی دوزخ کے عذاب سے صرف اس صورت میں بچ سکتا ہے کہ وہ دنیا میں صرف اللہ کی عبادت کرے اور کسی دوسرے کو اس کا ساجھی قرار نہ دے۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کے معنی یہ ہیں کہ پرستش اور پوجا' نذر و نیاز' طواف اور سجدہ کا مستحق صرف اللہ تعالیٰ ہے اور زندگی کے انفرادی اور اجتماعی معاملات میں بھی اسی کی اطاعت کی جائے اور بندگی سوائے اللہ کے اور کسی کے لئے لیے نہ ہونی چاہئے۔ (متفق علیہ)

تنظیمی اطلاع

امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید صاحب نے مشورہ کے بعد جناب محبوب سبحانی کو آئندہ دو سال کے لیے تنظیم اسلامی کوئٹہ کے امیر کے طور پر برقرار رکھنے کا فیصلہ فرمایا۔

دعوت رجوع الی القرآن کی اساسی دستاویز
بانی تنظیم اسلامی **ڈاکٹر اسرار احمد**
کی مقبولِ عام تالیف
مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق
اشاعت خاص: 20 روپے اشاعت عام: 12 روپے

تراویح کے دوران

دورۂ ترجمہ قرآن اور مختصر تشریح کی دین میں اہمیت

قاضی عبدالقادر

رمضان کا مبارک مہینہ شروع ہو چکا ہے۔ اس گئے گزرے دَور میں بھی جب کہ بدی ہر چہار جانب ڈیرے ڈالے ہوئے ہے' طاغوت کی سازشیں عروج پر ہیں' پرنٹ اور خصوصاً الیکٹرونک میڈیا روز و شب بے دینی' فحاشی' عریانی اور بدکرداری کی نشر و اشاعت میں لگے ہوئے ہیں' لوگوں میں دنیاداری اور اس میں مسابقت بڑھتی چلی جا رہی ہے' رمضان کا مہینہ اپنے ساتھ برکات کی سوغات لیے ہوئے ہوتا ہے جس کے اثرات مسلمان معاشرے پر پڑتے ہیں' حسنات فروغ پانے لگتی ہیں' جیسے کہ عرصۂ دراز سے سوکھی زمین پر بارش برسنے سے روئیدگی آ جاتی ہے اور پھر سے سبزہ لہلہانے لگتا ہے۔ مساجد میں رونق ہو جاتی ہے۔ بچے' جوان اور بوڑھے سب مسجد کی طرف لپکتے ہیں۔ عام دنوں میں جہاں نمازیوں کی صرف دو تین صفیں ہی بن پاتی ہیں اور ''مسجدیں مرثیہ خواں ہیں کہ نمازی نہ رہے'' کا نقشہ ہوتا ہے وہاں اس مبارک مہینے میں مسجد کا ہال ہی نہیں والان تک بھر جاتا ہے' فضا میں ایک نورانیت سی برس رہی ہوتی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عوام الناس کے دلوں میں ابھی ایمان کی چنگاریاں باقی ہیں۔ اگر حکومت کے ذرائع ابلاغ اور ہمارے نشریاتی ادارے امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرنے لگ جائیں تو کیا عجب کہ یہی چنگاریاں ایک شعلۂ جوالہ بن جائیں۔

نہیں ہے ناامید اقبال اپنی کشتِ ویراں سے
ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی!

اس مبارک مہینے میں لوگ دن میں روزہ رکھتے ہیں اور رات تراویح کی شکل میں قرآن حکیم کے ساتھ بسر کرتے ہیں۔ پورے ماہ یہی کیفیت رہتی ہے۔ کیا بچے' کیا بوڑھے' کیا جوان' تراویح پڑھنے والوں سے مسجدیں بھر جاتی ہیں' جس میں کم وبیش دو گھنٹے لگ جاتے ہیں۔

رمضان المبارک کے پورے مہینہ میں ایک بار پورا قرآن حکیم ختم کرنا سنت مؤکدہ ہے۔ نبی اکرم ﷺ ہر سال اس ماہ میں حضرت جبرائیل علیہ السلام کو پورا قرآن سنایا کرتے تھے اور جس سال آپ ؐ کا وصال ہوا اس سال آپ ؐ نے دو بار حضرت جبرائیل ؑ کو قرآن حکیم سنایا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تراویح میں پورا قرآن حکیم سنانے کا خاص اہتمام کرتے تھے۔ اس سنت کو بغیر کسی عذر شرعی کے ترک کرنا ہرگز صحیح نہیں ہے۔ رمضان المبارک میں ایک بار تو تراویح میں پورا قرآن کریم سنانے اور سننے کا ضرور اہتمام کرنا چاہیے۔ قراءت کی کیفیت نبی اکرم ﷺ کی سنت کے مطابق یہ ہونی چاہیے کہ آپ ؐ ایک ایک حرف کو واضح اور ایک ایک آیت کو الگ الگ کر کے پڑھا کرتے تھے' جبکہ ہمارے ہاں اکثر مساجد میں کیفیت یہ ہوتی ہے کہ اتنی تیز قراءت ہوتی ہے کہ 'یعلمون' تعلمون'' کے سوا نمازیوں کے پلے کچھ بھی نہیں پڑتا۔ بعض مساجد میں تو اُن حفاظ کرام کو دادِ تحسین دی جاتی ہے جو نمازیوں کو جلد از جلد فارغ کر دیں۔ یہ لطیفہ نہیں حقیقت ہے کہ ایسے حفاظ کو لوگوں نے ایکسپریس' طوفان میل اور ہوائی گھوڑے جیسے ''مبارک'' نام دے رکھے ہیں۔

بہت کم لوگ ایسے ہوتے ہیں جو دن کے اوقات میں رات کو تراویح میں پڑھی جانے والی قرآن حکیم کی آیات کی تلاوت اور اس کا ترجمہ دیکھ لینے کا حق ادا کرتے ہوں' تاکہ وہ سمجھ سکیں کہ تراویح میں کیا پڑھا جا رہا ہے۔ ورنہ چونکہ ہماری زبان عربی نہیں ہے اس لیے اکثریت قرآن حکیم کو سنتی تو ہے مگر اسے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ اس کا مطلب کیا ہے اور اس میں کیا پیغام دیا جا رہا ہے۔ نہ ہی حفاظ کرام (الا ماشاء اللہ) کو معلوم ہوتا ہے کہ وہ کیا پڑھ رہے ہیں۔ اگر انہیں اس کا مطلب معلوم ہوتا تو جہاں جہاں جہاد وقتال کی آیتیں آتیں تو اُن کی قراءت میں آواز پُرجوش ہو جاتی اور عذابِ جہنم کی آیات کی قراءت میں آواز میں لرزش اور کپکپاہٹ پیدا ہوتی اور جسم لرز سا جاتا۔

اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کو کہ انہیں اس چیز کا صحیح ادراک اور شدید احساس ہوا ___ اور کیوں نہ ہوتا' آخر آپ ''مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق'' جیسے پُر مغز اور پُر تاثیر کتابچے کے مصنف ہیں۔ یہ 1984ء (1404 ہجری) کے رمضان المبارک کا مہینہ تھا جس میں انہوں نے خوب سوچ بچار کے بعد تراویح کے دوران ایک نیا سلسلہ شروع کیا' اور وہ یہ تھا کہ ہر چار رکعات میں پڑھی جانے والی آیات کا پڑھے جانے سے قبل ترجمہ اور مختصر تشریح بیان کرنی شروع کی' تاکہ نمازیوں کو معلوم ہو جائے کہ ان چار رکعتوں میں کیا پڑھا جانے والا ہے' تاکہ وہ اس سے پوری طرح مستفید ہوتے ہوئے قرآن حکیم کو سمجھیں' اس پر عمل کریں' اس کی تعلیمات کو دوسروں تک پھیلائیں اور بندگی رب' شہادت علی الناس اور اقامتِ دین کے فریضہ سے عہدہ برآ ہونے کی توفیق پائیں۔ اس میں نمازِ عشاء کو شامل کر کے کم وبیش پانچ گھنٹے تو ضرور لگے' لیکن لوگ جُوق در جُوق اور پورے ذوق وشوق کے ساتھ نہ صرف اس میں شریک ہوئے' بلکہ آخر وقت تک موجود رہ کر اس سے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔ مسجد جامع القرآن (قرآن اکیڈمی) ماڈل ٹاؤن لاہور میں ہونے والا یہ ''ماڈل'' تجربہ بحمد اللہ توقع سے زیادہ کامیاب رہا۔ ڈاکٹر صاحب یقیناً خوش ہوئے ہوں گے (اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا ہوگا) کہ انہوں نے قوم کی نبض پر صحیح ہاتھ رکھا ہے۔

اگلے سال محترم ڈاکٹر صاحب نے کراچی کی ناظم آباد بلاک نمبر 5 کی جامع مسجد میں ترجمۂ قرآن مجید کی ایسی ہی محفل منعقد کی' یہاں بھی حاضری اور لوگوں کا ذوق و شوق توقع سے کہیں زیادہ تھا۔ اور اس کے بعد تو یہ سلسلہ ایسا چل نکلا کہ جوئے آب بڑھ کر دریائے تند و تیز بن گئی۔ لاہور' کراچی اور ملک کے دیگر مقامات پر محترم ڈاکٹر صاحب کے علاوہ اُن کے شاگرد اور فیض یافتہ حضرات بھی یہ فریضہ انجام دینے لگے۔ الحمد للہ کہ اس سال صرف کراچی میں تقریباً چالیس مقامات پر اس طرح کے اجتماعات منعقد ہوئے۔

تراویح میں ترجمۂ قرآن مجید کے اس سلسلہ کا ایک اچھا نتیجہ یہ ظاہر ہوا کہ دوسرے متعدد مقامات پر بھی لوگوں نے بیس تراویح پڑھنے کے بعد' پڑھی جانے والی آیات کا ترجمہ تو نہیں مختصر بیان شروع کر دیا' یا مطبوعہ مواد پڑھنا شروع کر دیا جو بعض حضرات نے کتابچے کی صورت میں چھپوایا ہے' یا بعض اخبارات میں روزانہ سلسلہ وار ''آج کی تراویح'' کے عنوان سے شائع ہوتا ہے۔ اس سے اگرچہ وہ فائدہ تو نہیں ہوتا جو ہر چار رکعات سے قبل اُن میں پڑھی جانے والی آیات کے ترجمہ اور مختصر تشریح سے ہوتا ہے' مگر بہرکیف یہ افادیت سے بالکل خالی نہیں۔ ایسا بھی ہوا کہ دبے دبے سے الفاظ میں بعض گوشوں کی جانب سے محترم

> **تراویح سے پہلے آیات کا ترجمہ اور تشریح کا فائدہ یہ ہے کہ ہماری اکثریت جو عربی سے ناواقف ہے' کو پتہ چل جاتا ہے کہ تراویح میں جو کلام سنایا جا رہا ہے اس میں اللہ تعالیٰ ہمیں کیا پیغام دینا چاہتے ہیں**

ڈاکٹر صاحب کے اس طریقِ کار پر بدعت کی پھبتی کسی گئی' حالانکہ بالفرض اگر یہ بدعت ہی ہے تو ہے تو بدعت حسنہ!

آیئے پہلے ہم مختصراً یہ جائزہ لیں کہ تراویح کی حقیقت کیا ہے! بعدازاں یہ کہ ڈاکٹر صاحب کے طریق کار کے مطابق ترجمہ اور مختصر تشریح بیان کرنے کی دین میں اہمیت یا گنجائش ہے بھی یا نہیں' اور اگر ہے تو کس حد تک!

تراویح دراصل ترویحہ کی جمع ہے۔ ترویحہ کے لغوی معنی ہیں آرام لینے کے لیے تھوڑی دیر بیٹھنا۔ لیکن اصطلاح میں ترویحہ سے مراد وہ بیٹھنا ہے جو اس مسنون نماز کے دوران ہر چار رکعات کے بعد ہوتا ہے۔ اور چونکہ اس کی بیس رکعتوں کے دوران پانچ تراویح (ترویحہ کی جمع) کرتے ہیں' اس لئے اس مسنون نماز کو تراویح کہا جانے لگا۔ نمازِ تراویح سنت مؤکدہ ہے۔ نبی اکرم ﷺ سے بھی یہ ثابت ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی کتابوں میں یہ شرعی مسئلہ بیان ہوا ہے کہ جس شخص نے بغیر کسی عذر کے تراویح کی نماز ترک کی وہ گناہ گار شمار ہوگا۔ رمضان المبارک کے دو متوازی پروگرام ہیں' یعنی دن کا روزہ اور رات کا قیام۔ اس سلسلے میں دو شاہکار احادیث ملاحظہ ہوں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے رمضان کے روزے رکھے ایمان اور خود احتسابی کی کیفیت کے ساتھ' اس کے پچھلے تمام گناہ معاف کر دیے گئے' اور جس نے رمضان (کی راتوں) میں قیام کیا (قرآن سننے اور سنانے کے لیے) ایمان اور خود احتسابی کی کیفیت کے ساتھ اس کے بھی تمام سابقہ گناہ معاف کر دیے گئے' اور جو لیلۃ القدر میں کھڑا رہا (قرآن سننے اور سنانے کے لیے) ایمان اور خود احتسابی کی کیفیت کے ساتھ اس کی بھی سابقہ تمام خطائیں بخش دی گئیں!'' (رواہ البخاری و مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''روزہ اور قرآن (قیامت کے روز) بندے کے حق میں شفاعت کریں گے۔ (یعنی اس بندے کے حق میں جو دن میں روزہ رکھے گا اور رات میں اللہ کے حضور کھڑے ہو کر اُس کا پاک کلام قرآن مجید پڑھے گا یا سنے گا) روزہ عرض کرے گا: اے ربّ! میں نے اس شخص کو دن میں کھانے پینے اور خواہشاتِ نفس سے روکے رکھا تھا' تو اس کے حق میں میری سفارش قبول فرما! اور قرآن یہ کہے گا کہ اے پروردگار! میں نے اسے رات کے وقت سونے اور آرام کرنے سے روکے رکھا' لہٰذا اس کے حق میں میری سفارش قبول فرما! چنانچہ (روزہ اور قرآن) دونوں کی شفاعت بندے کے حق میں قبول کی جائے گی (اور اس کے لیے جنت اور مغفرت کا فیصلہ فرما دیا جائے گا)۔''

(رواہ احمد والطبرانی والبیہقی)

نمازِ تراویح کا نبی اکرم ﷺ کے ساتھ باجماعت پڑھنا ثابت ہے۔ آپؐ نے رمضان المبارک کی تین شب یعنی 23'25 اور 27 کو تراویح کی نماز باجماعت پڑھائی' اس کے بعد آپؐ نے اس اندیشہ سے اس کو جاری نہ رکھا کہ کہیں اس نماز کو فرض نہ سمجھ لیا جائے۔ چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مسجد میں مختلف ٹکڑیوں میں باجماعت عموماً آٹھ رکعات اور پھر گھر جا کر انفرادی طور پر مزید (عموماً بارہ) رکعات پڑھتے تھے' تا آنکہ خلیفۂ دوم حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی باقاعدہ جماعت قائم فرمائی' کیونکہ نبی اکرم ﷺ کے وصال کے بعد اس کے فرض ہو جانے کا اندیشہ جاتا رہا تھا۔ صحابہ کرامؓ نے بالاتفاق بسر و چشم اسے قبول کیا۔ بعد میں بھی کسی خلیفہ نے اس کی مخالفت نہیں کی۔ یہ حضرت عمرؓ کے تفقہ کی بہترین مثالوں میں سے ایک ہے۔ اُس وقت سے لے کر اب تک اسے مسجدوں میں باجماعت ادا کیا جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے بیس

تراویح میں نبی ﷺ کی قراءت کی کیفیت یہ ہوتی تھی کہ آپ ایک ایک حرف کو واضح پڑھا کرتے تھے' جبکہ ہمارے ہاں اکثر مساجد میں اتنی تیز قراءت ہوتی ہے کہ یعلمون' تعلمون کے سوا نمازیوں کے پلے کچھ نہیں پڑتا

رکعات تراویح پڑھائی ہیں' جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے:

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يُصَلِّيْ فِيْ رَمَضَانَ عِشْرِيْنَ رَكْعَةً وَالْوِتْرَ (مصنف ابن ابی شیبہ ۲/۲۹۴۔ و مسند عبد ابن حمید' ص ۲۱۸)

حضرت عمرؓ نے جب مسجد میں اس کی باقاعدہ جماعت قائم کی تو بیس رکعات مقرر فرمائیں۔ کسی نے اس سے اختلاف نہیں کیا۔ امام ابوحنیفہؒ' امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ تینوں بیس رکعات ہی کے قائل ہیں اور ایک قول امام مالکؒ کا بھی اس موقف کے حق میں ہے۔ البتہ اہلحدیث حضرات آٹھ رکعات ہی پڑھتے ہیں۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ اور حضرت ابان بن عثمانؒ نے بیس کے بجائے چھتیس رکعتیں پڑھنے کا طریقہ شروع کیا۔ اس کی وجہ یہ نہ تھی کہ ان کی تحقیق خلفائے راشدینؓ کی تحقیق کے خلاف تھی' بلکہ ان کا خیال یہ تھا کہ مکّہ کے باہر کے لوگ ثواب میں اہل مکّہ کے برابر ہو جائیں' کیونکہ مکّہ کے لوگ ہر چار رکعات کے بعد کعبہ شریف کا طواف کیا کرتے تھے۔ اور ظاہر ہے کہ مکّہ سے باہر کے لوگ تو طواف نہیں کر سکتے تھے' اس لیے انہوں نے اس کمی کو پورا کرنے کے لیے اس طواف کی جگہ چار رکعتیں پڑھنی شروع کیں' اس طرح کل بیس کے بجائے چھتیس رکعتیں ہو گئیں' یعنی بیس رکعتیں اصل تراویح کی اور چار چار رکعتیں ہر ترویحہ (کل چار ترویحہ) کے دوران طواف کی جگہ۔ امام مالکؒ چونکہ مدینہ کے لوگوں کے عمل کو سند کا درجہ دیتے تھے' اس لیے انہوں نے بھی بیس کی بجائے چھتیس رکعتوں کے حق میں فتویٰ دیا۔

ایک معروف صاحب علم لکھتے ہیں کہ ''نماز تراویح کی 20 رکعتیں اس طرح پڑھی جائیں کہ ہر دو رکعت کے بعد سلام پھیرا جائے اور ہر چار رکعت کے بعد ترویحہ میں اتنی دیر بیٹھا جائے جتنی دیر میں چار رکعتیں پڑھی گئی ہیں۔ ترویحہ میں اتنی دیر بیٹھنا مستحب ہے۔ ہاں اگر یہ محسوس ہو کہ مقتدی اتنی دیر بیٹھنے میں پریشانی محسوس کرتے ہیں تو پھر اتنی دیر تک نہ بیٹھنا چاہیے' بلکہ مقتدیوں کے جذبات کا خیال رکھنا چاہیے۔ ترویحہ کی حالت میں نمازی کو اختیار حاصل ہے کہ چاہے خاموش بیٹھا رہے' چاہے ذکر و تسبیح پڑھے' چاہے نوافل پڑھے۔ مکہ معظمہ میں لوگ بیٹھنے کی بجائے بیت اللہ کا طواف کرتے ہیں' مدینہ منورہ میں اس کی جگہ چار رکعات نفل پڑھ لیتے ہیں (غالباً یہ ماضی کی بات ہے' شاید اب ایسا نہیں ہوتا)''۔

اب آیئے تراویح کی ہر چار رکعتوں سے قبل ان میں پڑھی جانے والی آیات کے ترجمہ اور مختصر تشریح کے بیان کی طرف۔ ہماری رائے میں یہ نہ بدعت ہے نہ ہی شریعت کے منشاء کے خلاف' بلکہ اس کے برخلاف یہ مستحسن ہے۔ اس سلسلے میں ہمارے دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

1۔ سب سے پہلے یہ سمجھ لیا جائے کہ عربی تو عربوں کی اپنی زبان ہے' اس لیے قرآن مجید کا مطلب سمجھنا ان کے لیے کوئی مشکل نہیں۔ ہم لوگ جو غیر عرب ہیں اور عربی زبان سے عموماً ناواقف ہیں' تو ہمارے لیے یہ بہت ضروری ہے کہ ہمیں پتا تو چلے کہ اللہ تعالیٰ کا جو کلام تراویح میں سنایا جا رہا ہے آخر یہ کلام ہے کیا! یوں تو صرف سن لینا بھی کارِ ثواب ہے' مگر اس کا مطلب سمجھنا ازحد ضروری ہے' تاکہ ہمیں معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ ہم سے کیا کہنا چاہتے ہیں' ہمیں کیا پیغام دینا چاہتے ہیں' کہ ہم اس کو سمجھ کر اس کے مطابق عمل کریں اور اس کی تعلیمات کو دوسروں تک پہنچائیں۔

2۔ جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے کہ ہر چار رکعات کے بعد ترویحہ میں اتنی دیر بیٹھنا مستحب ہے جتنا وقت چار رکعتوں میں لگا ہے' تو اس دوران خاموش بیٹھے رہنے' یا نوافل پڑھنے' یا ذکر و تسبیح کرنے کی بجائے اگر اگلی چار رکعتوں میں پڑھی جانے والی آیات کا ترجمہ اور مختصر تشریح

سن لی جائے اور ذہن نشین کر لی جائے تو اس سے بہتر بات اور کیا ہوگی! اس سے تو تراویح کا مقصد ہم عربی زبان سے نابلد لوگوں (الا ماشاء اللہ) کے پیش نظر بدرجۂ اتم پورا ہو سکتا ہے! اب اس صورت میں اعتراض کی گنجائش کہاں! ہاں اگر ایسا نہ کیا جائے تو اعتراض کی گنجائش نکل سکتی ہے۔

3۔ شاید کچھ لوگ یہ نکتہ آفرینی کریں کہ تراویح میں جتنی دیر بیٹھنے کو مستحب فرمایا گیا ہے' ترجمہ اور مختصر تشریح میں اس سے کچھ زیادہ وقت لگ جاتا ہے' تو یہ اعتراض اُس صورت میں تو وزنی ہے جبکہ لوگ اس میں اکتاہٹ محسوس کریں' مگر نمازی حضرات تو نہایت ہی ذوق وشوق کے ساتھ ترجمہ و تشریح سنتے ہیں' انہیں وقت کی کوئی پروا نہیں ہوتی' پھر یہ بھی پیش نظر رہے کہ اہل مکہ ہر چار رکعات کے بعد طواف کعبہ کرتے تھے۔ آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ طواف یعنی بیت اللہ شریف کے گرد سات شوط (چکر) اور مقام ابراہیم پر دو رکعت نماز نفل ادا کرنے میں اس سے کہیں زیادہ وقت لگ جاتا ہوگا جتنا تراویح کے دوران ترجمہ اور مختصر تشریح میں لگتا ہے۔ پھر یہ بھی خیال رہے کہ شریعت نے تراویح کے دوران ہمیں کھلا چھوڑ دیا ہے' چاہے نفل ادا کریں' ذکر وفکر کریں' تسبیح پڑھیں یا خاموش بیٹھے رہیں۔ اہل مکہ نے اس دوران طواف کو بہتر سمجھا تو ہمیں بھی آزادی ہے کہ ہم تراویح کے دوران کلامِ الٰہی کا ترجمہ اور تشریح بیان کریں' بلکہ ہم غیر عربوں کے لیے تو یہ بدرجۂ اولیٰ ضروری ہے' کجا یہ کہ اسے بدعت قرار دیا جائے یا شریعت کے خلاف سمجھا جائے' یا لوگوں کو اس میں شرکت سے منع کیا جائے کہ اس سے بعض حلقوں کے ''مخصوص'' مفادات کو ٹھیس پہنچتی ہے۔

اور پھر اُن لوگوں کی خوش نصیبی کا کیا ٹھکانہ جو شریعت کے منشاء کے مطابق پورا مہینہ دن کو روزہ رکھتے اور رات کو چار چار' پانچ پانچ گھنٹے اللہ تعالیٰ کے کلام پاک کا ترجمہ وتشریح سنتے ہوئے اس کی معیت میں بسر کرتے ہیں اور اس طرح ثواب میں اہل مکہ (طواف کی وجہ سے) اور اہل مدینہ (36 رکعتوں کی وجہ سے) کے تعامل کے برابر بھی ہو جاتے ہیں۔ مبارک باد ہو اُن کو۔ ع ''یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا۔''

نوٹ: ''میں نہ عارف نہ مجدّد نہ محدث نہ فقیہہ'' کے مصداق کچھ نہیں' بس ایک عام سا مسلمان ہوں۔ دینی علم کے بارے میں نہ کوئی دعویٰ ہے نہ زعم۔ دین کا ایک ادنیٰ طالب علم ہوں۔ ارباب دین ودانش سے درخواست ہے کہ اگر میرے اس مضمون میں کوئی غلط بیانی' مغالطہ انگیزی یا فکر ونظر کی کوئی خامی' کوئی یا غلطی پائیں تو اصلاح کی خاطر ضرور نشان دہی فرمائیں! بندہ ازحد مشکور ہوگا۔

❀❀❀

تنظیم اسلامی کا پیغام
نظامِ خلافت کا قیام

النصر لیب

مستند اور تجربہ کار ڈاکٹروں کی زیر نگرانی ادارہ

ایک ہی چھت کے نیچے تمام اقسام کے معیاری لیبارٹری ٹیسٹ' ایکسرے' ای سی جی اور الٹراساؤنڈ کی سہولیات

محترم ڈاکٹر اسرار احمد کی نگاہ میں قابل اعتماد ادارہ

خصوصی پیکج خصوصی میڈیکل چیک اپ ☆ الٹراساؤنڈ ☆ ای سی جی ☆ ہارٹ ☆ ایکسرے چیسٹ ☆ لیور ☆ کڈنی ☆ جوڑوں سے متعلقہ متعدد ٹیسٹ ☆ ہیپاٹائٹس بی اور سی ☆ بلڈ گروپ ☆ بلڈ شوگر ☆ مکمل بلڈ اور مکمل پیشاب ٹیسٹ صرف 1500 روپے میں کروائیں۔

تنظیم اسلامی کے رفقاء اور ندائے خلافت کے قارئین اپنا ڈسکاؤنٹ کارڈ لیبارٹری سے حاصل کریں۔ ڈسکاؤنٹ کارڈ کا اطلاق خصوصی پیکج پر نہیں ہوگا۔

ISO 9001:2000
QMS CERTIFIED CLINICAL LAB
BY MOODY INTERNATIONAL

النصر لیب :950۔ بی' مولانا شوکت علی روڈ' فیصل ٹاؤن (نزد راوی ریسٹورنٹ) لاہور
فون: 5162185-5163924 موبائل: 0300-8400944
E-mail: alnasar@brain.net.pk Website: www.alnasar.com.pk

محقق العصر حضرت مولانا پروفیسر ڈاکٹر علامہ خالد محمود صاحب پی ایچ ڈی (لندن) دامت برکاتہم کے قلم سے علمی کتب

مطالعہ بریلویت (8 جلد)

تعلیمی سیٹ

★ آثار التشریح (2 جلد) ★ آثار الاحسان (2 جلد)
★ آثار التنزیل (2 جلد) ★ آثار الحدیث (2 جلد)

مطالعہ قادیانیت

★ قادیانیوں کو سمجھنے کا آسان راستہ
★ عقیدہ الامت فی معنی ختم نبوت
★ عقیدۃ الخیر لامام

کتب ملنے کے پتے:
• مکتبہ قاسمیہ Ph: 7232536 • مکتبہ سید احمد شہید اردو بازار لاہور
• ادارہ اسلامیات انارکلی لاہور

احسان الحق خان غازی ناظم دارالمعارف 1/3 دیو سماج روڈ سنت نگر 7229212

1952 کا فوجی انقلاب اور اخوان المسلمین

سید قاسم محمود

گزشتہ قسط میں ہم نے لکھا تھا کہ شہادت سے چند روز پہلے حسن البناء شہید نے ڈپٹی ہوم منسٹر عبدالرحمٰن عمار کی ایک سرکاری یادداشت (جس میں اخوان المسلمین کو غیر قانونی اور ناجائز قرار دینے کی سفارش کی گئی تھی) کا جواب دیتے ہوئے حکومت کی جانب سے اخوان کو ناجائز قرار دیے جانے کے اسباب ووجوہ بیان کیے تھے۔ شہید کی یہ آخری تقریر تھی' جس کا خلاصہ یہاں پیش کیا جارہا ہے:

اخوان دشمنی کا سب سے بڑا سبب غیر ملکی دباؤ ہے۔

ڈپٹی ہوم منسٹر نے مجھ سے خود اس کا اقرار کیا کہ برطانیہ امریکا اور فرانس کی جانب سے 6 دسمبر 1948ء کے اجتماع کے بعد ایک یادداشت نقراشی پاشا وزیراعظم کو پیش کی گئی' جس میں انہوں نے فوراً اخوان المسلمین پر پابندی لگانے کا مطالبہ کیا ہے۔ سامراجی حکومتوں کی جانب سے اس قسم کا مطالبہ ایک قدرتی امر تھا' جو وادیٔ نیل' بلادِ عرب اور اسلامی ممالک سے متعلق اپنے اغراض کی راہ میں اخوان کو سنگِ راہ سمجھتے تھے۔ یہ کوئی پہلا مطالبہ نہ تھا' بلکہ اس کی شکل ایک مستقل سرکاری مطالبے کی سی تھی' جو ہر برطانوی سفیر کی طرف سے تمام موقعوں پر ہر نمائندہ حکومت سے کیا جاتا رہا' اور کسی حکومت نے اس کا کوئی عملی جواب' حتیٰ کہ سخت ترین وقتوں میں بھی نہیں دیا تھا۔ برطانوی سفارت خانے نے نحاس پاشا (سابق وزیراعظم) سے 1942ء میں' جبکہ جنگ عظیم دوم چھڑی ہوئی تھی' اور جرمنی مصر کے دروازوں پر تھا' مطالبہ کیا تھا کہ اخوان کو ناجائز قرار دے دیا جائے اور اس کی سرگرمیوں کو روک دیا جائے' تو انہوں نے اس مطالبے کو لبیک نہیں کہا تھا۔ البتہ اتنا کہ ایک معینہ مدت کے لیے اخوان کی اندرون ملک شاخوں کو بند تو کر دیا تھا' لیکن ''مرکز'' اپنا کام کرتا رہا۔

نقراشی پاشا یہ بھی کر سکتا تھا کہ اس طرح کے مطالبے کو رد کر دے اور اخوان سے کوئی مفید سمجھوتہ کر لے جو فریقین کے لیے اطمینان بخش ہو۔ اخوان حسن البناء کے سفرِ حجاز سے واپسی پر پوری طرح سمجھوتے کے لیے تیار تھے' لیکن اسے اس کی توفیق نہ ہوئی اور اُس نے مذکورہ بالا جارحانہ اقدام کیا' جس سے ثابت ہوا کہ مصر اب تک مصریوں سے زیادہ اغیار کا ہے اور اِس دیار میں ہنوز اغیار ہی کا نفوذ واقتدار ہے۔ اس کے بعد حسن البناء حالات و اسباب کی تفصیل بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''یہ سب کچھ بین الاقوامی یہودی تحریک' عالمی کمیونزم' سامراجی حکومتوں اور الحاد ولادینی کے علم برداروں کی کارکردگی ہے کہ یہ لوگ اخوان اور اُن کی تحریک کو اپنے ناپاک اغراض کی راہ میں زبردست رکاوٹ سمجھتے ہیں''

ایک صحافی نے پوچھا: ''اخوان کو ناجائز قرار دیے جانے کے اصل اسباب کیا ہیں؟۔ اس کے جواب میں حسن البناء نے کہا: ''یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جماعت بندی کے عوامل بھی اس کے اسباب تھے جو پارلیمنٹ کا الیکشن قریب ہونے کے سبب نمودار ہو رہے تھے' کیونکہ یہ بات مشہور تھی کہ ''سعد پارٹی'' پارلیمنٹ میں اکثریت حاصل کرنا چاہتی ہے' تاکہ آئندہ اس کی حکومت برقرار رہے' اور یہ بات بھی مشہور تھی کہ اخوان عوامی طاقت رکھتے ہیں' جو حکومت کی جارحانہ پالیسی کا پامردی سے مقابلہ کرے گی اور کسی طرح اثرات سے عوام کو متاثر نہ ہونے دے گی۔ لہٰذا اجتماعی سیاسی پیش بندی کا تقاضا ہے کہ اس طرح کے اقدام سے ان کو بدنام کیا جائے اور اُن کی پوزیشن کمزور کی جائے' اور یہ بھی ضروری تھا کہ دوسرے موثرات کو صورت حال پر اثر انداز نہ ہونے دیا جائے اور الیکشن کی تاریخ یعنی اکتوبر 1949ء سے پہلے یہ چال چلی جائے''

آنے والے وقت نے اس خیال کی پوری پوری تائید کی۔ چنانچہ 24 فروری 1949ء کو حسن البناء کے قتل کے چند روز بعد ہی' ''رھوڈس کے صلح نامے'' پر دستخط ہونے کا اعلان کیا گیا اور فلسطین سے مصری فوج کو واپس بُلا لیا گیا۔

عبدالہادی کی وزارت تقریباً سات ماہ تک قائم رہی۔ اس مدت میں اخوان پر مظالم اپنی انتہا کو پہنچ گئے۔ یہاں تک کہ بعض مصریین کو یہ خیال ہو گیا کہ اب ان کا نام و نشان بھی باقی نہ رہے گا' لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس آزمائش و ابتلائے عظیم نے اُن کے لیے جلتی پر تیل کا کام دیا۔ اس نے اخوان کو تپا کر کندن کر دیا۔ ناقابل' نااہل اور کمزور افراد جماعت سے باہر نکل گئے اور بھاری اکثریت' جس کو ابتلاء و مصائب نے قوی تر اور راسخ تر بنا دیا تھا' دعوتِ مسلسل پر برقرار رہی۔ اخوان نے اِس درمیانی مدت میں خفیہ طور پر نئے مرشد (صدر) کا انتخاب کرلیا تھا اور ان کی تحریک خفیہ کام کرتی رہی۔

25 جولائی 1949ء کو ابراہیم عبدالہادی کی وزارت مستعفی ہوئی اور حسین سری کی مشترک و متحدہ (کولیشن) وزارت قائم ہوئی۔ جس نے بعد کو غیر جانب دار وزارت کی شکل اختیار کر لی' اور اُسی کی نگرانی میں الیکشن ہوئے' جس میں وفد پارٹی کو اخوان کی تائید کی وجہ سے نمایاں کامیابی حاصل ہوئی اور جنوری 1950ء میں نحاس پاشا نے وزارت سنبھالی اور اخوان کے سر سے آہستہ آہستہ ظلم و ستم کا کابوس ہٹنا شروع ہوا۔ اُن کے قلم پھر حرکت میں آئے اور اُن کے اخبار ورسائل ازسرِنو زندہ ہوئے اور انہوں نے جناب حسن الہضیبی کو اپنا مرشد عام (صدر یا امیر جماعت) منتخب کیا' جو سپریم کورٹ کے سابق جج تھے۔

15 دسمبر 1951ء کو حکومت نے اخوان کی بعض املاک واپس کیں' جن میں ان کا ''مرکز'' دارالاشاعت' پریس اور دیگر شاخوں کے مراکز شامل تھے۔ یہ سب کچھ سپریم کورٹ کے فیصلے کی بناء پر عمل میں آیا جو اخوان کے ساتھ انصاف میں ایک اہم اور تاریخی فیصلہ تھا' جس کے رُو سے فیصلہ کیا گیا کہ ''اخوان کو ناجائز قرار دیے جانے کا حکم سراسر غلط تھا''۔

15 دسمبر 1951ء کو حکومت نے اخوان کی بعض املاک واپس کیں' جن میں ان کا مرکز' دارالاشاعت' پریس وغیرہ شامل تھے۔ یہ سب سپریم کورٹ کے اس فیصلے کی بناء پر کیا گیا' جس میں کہا گیا تھا کہ ''اخوان کو ناجائز قرار دیے جانے کا حکم سراسر غلط تھا''

جلد ہی اخوان نے اپنا گزشتہ مقام ووقار حاصل کر لیا۔

اکتوبر 1951ء میں مصر و برطانیہ کے مابین جنگ نے نازک صورت حال اختیار کر لی۔ اخوان کے رضا کار دستوں نے جنگِ آزادی میں نمایاں حصہ لیا' حتیٰ کہ وفد پارٹی کی حکومت نے اپنی شکست سے ایک روز قبل اس بنیاد پر اخوان سے بات چیت کی کہ جملہ رضا کاروں کی مکمل نگرانی و کمانڈ حکومت کے ہاتھ میں دے دی جائے۔ یہ خبر نمایاں سرخیوں کے ساتھ اخبارات میں سرکاری طور پر شائع کرائی گئی۔

احمد نجیب ہلالی کی وزارت میں اخوان نے خود کو بہت محتاط رکھا' اور بالخصوص داخلی سیاست میں انہوں نے یہ بھی اعلان کیا کہ وہ الیکشن میں شریک نہیں ہوں گے۔ ہلالی

سے قبل علی ماہر پاشا کی مختصر اور پھر دوبارہ ہلالی کی وزارت دونوں نے اخوان کے ساتھ ایک نیا طرزِ عمل اور پالیسی اختیار کی۔ علی ماہر نے تو اخوان کے مرشدِ عام سے مشورہ بھی لیا اور دیگر لیڈروں کے ساتھ اُن سے ملاقات بھی کی۔ ہلالی برابر اُن سے مشورہ کرتا رہا۔ وزرائے اعظم کی یہ مصالحت و مشاورت اخوان کی سیاسی قوت پر دلالت کرتی ہے۔

اس کے بعد ملکی مصلحتوں کے ساتھ سابق شاہ فاروق کے سیاسی کھیل اور مطلق العنانی کے نتیجے میں جلد جلد دو دو، تین تین روزہ وزارتیں قائم ہوتی رہیں۔ چنانچہ حسین سری کی وزارت آئی۔ پھر ہلالی کی دوسری وزارت آئی، جس کے قیام کے دوسرے ہی روز جنرل محمد نجیب کی قیادت میں فوجی انقلاب آیا۔ فوج نے علی ماہر کو وزارت کی پیش کش کی۔ پھر شاہ فاروق کو مجبور کیا گیا کہ وہ حکومت سے اپنے بیٹے کے حق میں دست بردار ہو جائے اور ملک چھوڑ دے۔

جنرل نجیب کا فوجی انقلاب 26/ جولائی 1952 کو برپا ہوا تھا۔ اخوان کے تمام رہنماؤں نے اس اقدام کی تائید و حمایت کی۔ بعض اخبارات میں یہ اطلاعات بھی شائع ہوئیں کہ علی ماہر نے مرشد عام کو وزارت میں شرکت کی دعوت دی، لیکن انہوں نے دُعائے کامرانی پیش کرتے ہوئے معذرت چاہی۔ اس موقع پر شیخ حسن الباقوری کو اخوان سے استعفیٰ دینا پڑا، کیونکہ وہ مرشدِ عام کی معذرت سے بے خبری میں وزارت میں شامل ہو چکے تھے۔ فوجی انقلاب کے اوائل عہد میں اخوان کا اثر و رسوخ مزید بڑھ گیا، اس لیے کہ فاروق کے عہد میں وہ ہمیشہ ملکی بگاڑ اور ابتری کے خلاف بغاوت میں سب سے بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے رہے تھے، اور اُس کے عہد میں تمام وزارتوں اور محکموں کے ظلم و ستم کا ہدف بنے رہے تھے۔

اخوان کی شاخوں کی تعداد اب ڈیڑھ ہزار سے تجاوز کر گئی تھی۔ مرشدِ عام نے مصر کے گوشے گوشے میں سرگرمی سے دورے کیے۔ وہ جس علاقے میں بھی جاتے، وہاں نئی شاخیں قائم ہو جاتیں۔ 1953ء میں صرف قاہرہ شہر میں ستر شاخیں تھیں، اور کارکن ارکان کی تعداد دس لاکھ تھی۔ ایسے کارکنوں کی تعداد الگ ہے جو اپنے مخصوص طریقے پر کام کرنے کو ترجیح دیتے ہیں۔ وہ نہ اپنی عملی سرگرمی کا اظہار کرتے ہیں، اور نہ جماعت کے مخصوص قواعد و ضوابط کے پابند رہنا چاہتے ہیں۔ یہ سب اپنی جگہ، مگر جیسا کہ اخوان کے منشور میں درج ہے، اخوان کے ہاں اہمیت ''کیفیت'' کو حاصل ہے، کمیت کو نہیں۔ عام طور ایسا ہوتا ہے کہ اخوان کا کارکن یا محض مخلص و ہمدرد کسی محکمے یا کمپنی یا فیکٹری وغیرہ میں ملازم ہوتا ہے، لیکن وہ اپنی دعوت دین پر یقین کامل اور پختہ فہم و استدلال سے اپنے پورے ماحول پر اثر انداز ہوتا ہے، جس کے نتیجے میں تمام لوگ یا اکثریت اُس کی ہم خیال ہوتی ہے۔ مختلف سیاسی جماعتوں سے ربط و تعلق اور گزشتہ حکومتوں سے کشاکش کے سبب کارکنوں کو عام لوگوں کو مطمئن کرنے کا تجربہ و ملکہ حاصل ہو گیا ہے۔

3 دسمبر 1953 کو حسن البناء کی شہادت کی چوتھی برسی کے موقع پر صدر جنرل نجیب نے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ حسن البناء کی یاد کبھی پرانی نہیں ہوسکتی اور ان کی فضیلت کو کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا

اس کے ساتھ ساتھ اخوان میں کارکنوں کی تعلیم و تربیت کا اس قدر مستحکم اہتمام ہے کہ ایک کاریگر، مستری یا مزدور بھی اس طرح خطبۂ جمعہ یا دینی درس یا سیاسی تقریر کرتا نظر آئے گا، جیسے کوئی بہترین عالم ہو یا خطیب۔ عزمِ صمیم اور اعتماد کامل کی بدولت وہ مصری معاشرے کے تمام حلقوں میں پھیل گئے ہیں۔

26/ جولائی 1952ء کو اخوان کی مجلس عاملہ کا انعقاد ہوا، جس میں ملک کی صورت حال کے بارے میں ایک بیان نشر کرنے اور اصلاحِ معاشرہ کے بنیادی نکات متعین کرنے کے بارے میں تجویز پاس ہوئی۔ اس کے بعد یکم اگست 1952ء کو اخوان کی ''مجلسِ تاسیسی'' کا اجلاس طلب کیا گیا، جس نے مجلسِ عاملہ کی مذکورہ بالا تجویز کو منظور کیا۔ چنانچہ اخوان نے ایک بیان شائع کیا جس میں مکمل ملکی تطہیر، اخلاقی، تربیتی، دستوری، معاشرتی، اقتصادی اصلاح کے وسائل، قومی تربیت و تقویت، اور پولیس کی اصلاح کے طریقوں کو وضاحت سے بیان کرتے ہوئے ملکی اصلاح کے بنیادی نکات پیش کیے گئے۔

اس کے بعد فوجی حکومت نے سیاسی پارٹیوں کی رجسٹریشن کا حکم صادر کیا۔ اخوان کی ''مجلسِ تاسیسی'' میں اِس حکم کے مضمرات پر غور ہوا اور اخوان کے آئین پر نظرثانی کر کے بعض ترامیم منظور کیں، جن میں سے ایک یہ تھی کہ ''مرشدِ عام کی مدتِ کار تاحینِ حیات کے بجائے تین سال ہو گی، اور ''مجلسِ تاسیسی'' کے ارکان کی تعداد 150 ہو گی'' لیکن مکرر غور کے بعد فیصلہ کیا گیا کہ ایک بین الاقوامی اسلامی جماعت کی حیثیت سے ''اخوان المسلمین'' کے لیے یہ مناسب نہیں کہ وہ خود کو صرف مصر کے قانونِ جماعت سازی تک محدود و مقید کرے۔ انہوں نے یہ بھی طے کیا کہ فی الحال وہ حصولِ حکومت کو اپنے مقاصد میں شمار نہیں کرتے ہیں۔ اسی بناء پر وہ الیکشن میں جماعتی بنیاد پر شامل نہ ہوں گے، لیکن قومی قیادت اور سیاسی و ملکی معاملات میں تنقید، احتساب اور رائے دہی کا حق اپنے لیے محفوظ رکھیں گے۔ یہ پالیسی اپنا کر وہ سیاسی جماعتوں کی رجسٹریشن کے دائرہ قانون سے صاف بچ گئے۔

3 دسمبر 1953ء کو اخوان نے اپنے مرکز میں سیرت النبی ﷺ کا جلسہ منعقد کیا۔ اس جلسے میں صدرِ مملکت جنرل محمد نجیب اور کرنل جمال عبدالناصر نے شرکت کی۔ مرشد عام نے تقریر کی۔ اُن کے بعد جنرل محمد نجیب نے تقریر کی، جس میں اخوان کو مبارکباد دی۔ اُن کی رُوحانی و معنوی قوت کی تعریف کی اور اس کے پہلے مرشد حسن البناء شہید کے ایصالِ ثواب کے لیے فاتحہ خوانی کی۔

12 فروری 1953ء جب اخوان کے مرکز میں حسن البناء کی شہادت کی چوتھی برسی ہوئی تو جنرل محمد نجیب اور اُن کے ہمراہ تمام وزراء اور افسرانِ بالا تعزیت کے لیے اخوان کے صدر دفتر (مرکز) آئے۔ جنرل محمد نجیب نے ایک تقریر کی جو ریڈیو سے براہ راست نشر کی گئی۔ اس موقع پر جنرل نجیب نے کہا:

> ''حسن البناء کا شمار اُن لوگوں میں ہے جن کی یاد کبھی پُرانی نہیں ہو سکتی اور جن کی مرتبت و فضیلت کو کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا' کیونکہ مرحوم نے اپنی زندگی اپنے لیے نہیں گزاری' بلکہ قوم کے لیے گزاری۔ انہوں نے ذاتی فائدے کے لیے کوئی کام نہیں کیا' بلکہ اُن کا مقصدِ حیات ہمیشہ فلاحِ عام رہا''

جنرل محمد نجیب کی تقریر پر حسن البناء کے بھائی عبدالرحمٰن البنا نے اپنے خاندان کی طرف سے اور عبدالحکیم عابدین' سیکرٹری اخوان المسلمین نے جماعت کی طرف سے جواب دیئے۔

اُس روز شام کو ریڈیو سٹیشن سے دوبارہ جنرل نجیب کی تقریر نشر کی گئی۔ اُس رات ریڈیو سے گانے وغیرہ نشر نہیں کیے گئے۔ بلکہ صرف تلاوتِ قرآن' خبریں اور شہید حسن البناء کی تقریروں کے اقتباسات ہی نشر کیے گئے۔

اس طرح حکومت نے سرکاری طور پر اُس بطلِ جلیل کی چوتھی برسی پر اُس کی قدر و منزلت کا اعتراف کیا۔ جس قبر کی طرف چار سال پہلے وہ ''تنہا'' روانہ ہوا تھا اور جس کے جنازے میں اُن کے والد اور فرزند کے سوا اور کوئی نہ تھا' ہاں چند سپاہی تھے جو لوگوں کو جنازے سے دُور رکھنے پر مامور تھے۔ آج اُس مردِ شہید کی قبر پر خود حکومت نے اپنے صدر اور وزراء کے ساتھ حاضر ہو کر پھولوں کی چادر چڑھائی۔ (جاری ہے)

بقیہ: ''بھیڑ میں کھو جانے والا بچہ''

میں لڑھکتے جا رہے ہیں۔ رنگا رنگ اعتماد افزا اقدامات کا سرکس سجا ہوا ہے' آئے دن ایک نیا تماشا سٹیج کی زینت بنتا ہے' شہروں سے شہر اور دلوں سے دل مل رہے ہیں اور کشمیر ''جامع مذاکرات'' کے میلے میں کھو جانے والے بچے کی طرح گم صم کھڑا ہے۔

(بشکریہ ''نوائے وقت'' یکم اکتوبر 2005ء)

یادوں کی تسبیح

مری صُراحی سے قطرہ قطرہ نئے حوادث ٹپک رہے ہیں
میں اپنی تسبیح روز و شب کا شمار کرتا ہوں دانہ دانہ

قاضی عبدالقادر

اسکول میں شام کے وقت گیمز (GAMES) ہوتے تھے: ہاکی' فٹ بال' والی بال اور کرکٹ۔ اس کی بھی حاضری لگتی تھی۔ ہم جاتے ضرور تھے کہ حاضری لگ جائے مگر کھیلتے بالکل نہ تھے۔ اس میں ہماری کسی ''نیکی'' کا دخل نہیں تھا بلکہ یہ ڈر کہ کہیں کرکٹ' ہاکی یا فٹ بال کھیلتے ہوئے گیند لگ کر زخمی نہ ہو جائیں...... اس لیے اپنا حصہ دُور کا جلوہ!...... ہاں محلہ میں لڑکوں کے ساتھ آنکھ مچولی' گلی ڈنڈا' کبڈی اور گولیاں ضرور کھیلتے تھے۔

جن بچوں کو شریر بچہ کہا جاتا ہے' اُس قسم کی شرارت تو ہم میں نہ تھی لیکن ساتھ ہی پورے ''شریف'' بھی نہیں تھے (یوں تو ''شریر'' اور ''شریف'' دونوں میں ''شر'' شامل ہے)۔ کھیتوں میں گھس کر اپنے ساتھی عبداللہ خان کے ساتھ مل کر مٹر کی پھلیاں توڑ کر کھانا ہماری ''ہابی'' سی بن گئی تھی۔ اس کا طریقہ یہ تھا کہ پہلے تو ادھر اُدھر دیکھ لیا کہ کوئی دیکھ تو نہیں رہا اور پھر کھیت میں گھس گئے یعنی ؎

پہلے جناب شیخ نے دیکھا اِدھر اُدھر
پھر سر جھکا کے داخل میخانہ ہو گئے

یہی حال بھٹوں کا تھا' نگاہ بچا کر کھیت سے توڑ کر اور گھر کے قریب لا کر بھون بھون کر کھائے جاتے تھے...... ویسے تو ہم گھر پر یہ چیزیں جتنا چاہیں کھا لیں' گھر میں ان چیزوں کی کمی نہ تھی' لیکن اس طرح کھانے کی دو وجوہات تھیں کہ:

1۔ ''مگر اس میں پڑتی ہے محنت زیادہ''...... یعنی اپنی محنت کی ''کمائی'' ہوتی ہے اور

2۔ جو اس طرح چوری کر کے توڑ کر کھانے میں مزہ ہے' اُس کی تو بات ہی کچھ اور ہے۔ بقول شاعر ؎

جو کبوتر پر جھپٹنے میں مزہ ہے اے پسر
وہ مزہ شاید کبوتر کے لہو میں بھی نہیں

ایک دن ہم اور ہمارا ساتھی کھیت کے اندر مٹر توڑ توڑ کر کھا رہے تھے کہ کھیت کا مالک آ گیا۔ ساتھی تو بھاگ گیا' مالک نے ہمیں ''Red-Handed'' پکڑ لیا اور لے کر والد صاحب کے پاس گیا۔ شہادت کے لیے جیبوں میں بھری ہوئی پھلیاں تھیں...... اب اُس کے بعد والد صاحب نے ہمارے ساتھ جو ''سلوک'' کیا' وہ بتانے کی ضرورت نہیں۔ آپ ماشاء اللہ سمجھدار ہیں' خود ہی جان لیجیے۔ اس کے بعد اس طرح کھیتوں میں جا کر پھلیاں یا بھٹے وغیرہ توڑنے سے ''توبہ'' کر لی مگر وہ جو کہتے ہیں چور' چوری سے جائے ہیرا پھیری سے نہ جائے' تو اسکول جاتے ہوئے کھیتوں کے درمیان پگڈنڈی پر چلتے ہوئے دونوں طرف گوبھی کے سفید سفید پھول دیکھ کر جی للچا للچا جاتا تھا۔ خوب اچھی طرح اِدھر اُدھر دیکھ کر ایک آدھ پھول توڑ کر بستہ میں رکھ لیتے تھے اور راستے میں اس میں سے تھوڑا تھوڑا توڑ کر کھاتے جاتے تھے۔ بس مزہ ہی تو آ جاتا تھا۔ جو بچ جاتا تھا' وہ تبرک کے طور پر کلاس کے ساتھیوں میں تقسیم کر دیتے تھے۔ اسی لیے تو لوگ کہتے ہیں (میری مراد آپ سے نہیں) کہ جو چوری کی مرغی میں مزہ ہوتا ہے وہ خریدی ہوئی مرغی میں نہیں۔ ٹھیک ہے نا۔

ہم لڑکوں نے ''KADI SONS'' (یعنی قاضی سنز کی ایک نئی شکل) کے نام سے ایک کلب بھی بنایا ہوا تھا۔ اس کا ہیڈ کوارٹر چچا جان کے گھیر (احاطہ) میں بنی ایک کوٹھری میں تھا۔ علی گڑھ سے میں پینٹر سے ایک چھوٹا سا سائن بورڈ بھی لکھوا کر لے آیا تھا جس کے مبلغ چار آنے (اب کے 25 پیسے) سکہ رائج الوقت دینے پڑے' جو اُس وقت ہمارے لیے اچھی خاصی بڑی رقم تھی۔ گرمیوں کی دو ماہ کی چھٹیوں میں کلب کی طرف سے بغیر پڑھے لکھے بچوں کے لیے ہم کلاس لیتے تھے۔ اُردو پڑھاتے تھے۔ کئی گروپ بن جاتے تھے۔ ان میں سے چند چچا جان کے گھیر میں اور کچھ چچا مولوی عبدالسلام صاحب کے گھیر (احاطہ) میں نیم کے پیڑ کے نیچے بیٹھ کر پڑھتے تھے۔ اس میں ہم خاصی محنت کرتے تھے اور ناخواندہ بچوں کو کچھ نہ کچھ پڑھا ہی دیا کرتے تھے۔ کلب کی طرف سے دیگر اصلاحی کام بھی کرتے رہتے تھے۔

ہاں یاد آیا کہ ایک دفعہ ڈرامہ بھی کھیلا گیا تھا۔ عنوان تھا: ''جہانگیر بادشاہ کا عدل''۔ اس میں بتایا گیا تھا کہ جہانگیر بادشاہ کی ملکہ نور جہاں نے ایک شخص کو گولی مار کر زخمی کر دیا' اُس نے محل کے باہر لٹکی عدل کی زنجیر کھینچی۔ جہانگیر بادشاہ نے اُس کا مقدمہ سنا' ملکہ نور جہاں کو طلب کیا گیا اور اُس کے خلاف فیصلہ دے دیا گیا۔ اُس نے زخمی شخص کو جرمانہ کی رقم ادا کر دی۔ اس میں سوال یہ تھا کہ نور جہاں کا کردار کون ادا کرے۔ سب کی نگاہ میری طرف گئی۔ ایک تو یہ کہ اُن لوگوں میں میرا رنگ کچھ صاف تھا' دوسرے یہ کہ میرا ایک کان چھدا ہوا تھا۔ بچپن میں کوئی منت مانی گئی ہو گی اور کان چھید کر کان میں سونے کا بُندہ پہنا دیا ہو گا۔ وہ چھید ابھی تک باقی تھا۔ چچا زاد بہن نے بہت محنت سے تیاری کرائی۔ ساڑھی دی گئی جو میں نے پہنی۔ ایک کان میں بُندہ پہنایا گیا۔ ساڑھی کے ایک پلو سے ایک طرف کا کان ڈھک دیا گیا اور بُندہ والی طرف کا کان کھلا رکھا گیا اور یوں ہم ''ملکہ نور جہاں بن'' گئے۔ چچا زاد بھائی عبدالخالق جو میرا ہم عمر تھا (بعد میں میرا بہنوئی بنا' کچھ سال قبل علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے رجسٹرار کے عہدہ سے ریٹائر ہو کر انتقال ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے) شہنشاہ جہانگیر بنا...... ہم یعنی ملکہ نور جہاں گھیر (احاطہ) میں بنی کوٹھری پر چڑھ گئے یا چڑھ گئیں اور ایک کرسی پر بیٹھ گئے یا گئیں۔ ڈرامہ دیکھنے محلّہ کے چھوٹے بڑے بہت سے لوگ جمع ہو گئے تھے۔ سب کی نگاہیں ''ملکہ نور جہاں'' کی طرف تھیں کہ ''ملکہ صاحبہ'' نے ایک طمنچہ نکال کر فائر کیا۔ ہم نے اس کی آواز کے لیے ایک پٹاخہ کا استعمال کیا تھا۔ ''گولی'' ایک راہ گیر کو لگی جو ''زخمی'' ہو کر گر گیا۔ کوٹھری کے ساتھ ہی ایک زنجیر لٹکا دی گئی تھی جو ''عدل کی زنجیر'' تھی۔ ''زخمی'' نے اس کو ہلایا' ''جہانگیر بادشاہ'' فوراً آ موجود ہوئے اور اس کی فریاد سنی۔ ''ملکہ صاحبہ'' کو طلب کیا گیا۔ مقدمہ پیش ہوا۔ ''ملکہ صاحبہ'' نے کہا کہ میں نے دانستہ نہیں مارا۔ میں کبوتر کو مار رہی تھی' چھرا (گولی) غلطی سے اس شخص کو لگ گیا۔ معافی طلب کی۔ ''بادشاہ'' نے مقدمہ کا فیصلہ سنایا اور ''ملکہ'' پر جرمانہ عائد کیا جو اُس نے فوراً اُس ''زخمی'' شخص کو ادا کر دیا۔ ہمارے کردار پر ہر طرف سے بڑی واہ واہ ہوئی۔ تعریف کے ڈونگرے برسائے گئے۔ شہنشاہ جہانگیر کے عدل کی بھی

باقی صفحہ 16 پر

آج اگر ہمارے ہاں صدارتی محل اور گورنر ہاؤس میں جہانگیر کے دورِ حکومت کی طرح عدل کی زنجیریں لٹکا دی جائیں اور لوگوں کو انصاف میسر ہو تو معاشرہ میں بہت بڑی تبدیلی آ سکتی ہے۔

بھیڑ میں کھو جانے والا بچہ

عرفان صدیقی

اعتماد افزا اقدامات کی شاخ سرسبز پر ایک اور گلِ تازہ کھلا ہے۔ اب ایک بس لاہور‘ امرتسر کے درمیان بھی چلا کرے گی۔ اکتوبر میں اس بس کے آزمائشی پھیرے شروع ہو جائیں گے اور نومبر کے آخری ہفتے میں یہ باضابطہ طور پر فراٹے بھرنے لگے گی۔ لاہور اور نئی دہلی کے درمیان بس سروس کا آغاز 1999ء میں ہو گیا تھا‘ لیکن جولائی 2003ء میں یہ معطل کر دی گئی تھی‘ اب جذبۂ تازہ کے ساتھ اس کا اجراء بھی ہو چکا ہے۔ اسی سال اپریل سے مظفر آباد سرینگر بس سروس کا آغاز بھی ہوا‘ جسے ’’اعتماد افزا اقدامات کی ماں‘‘ قرار دیا گیا تھا۔ نئی دہلی میں منعقدہ مذاکرات کے بعد پاکستان اور بھارت کے نمائندوں نے اس عزم کا اظہار کیا ہے کہ بہت جلد امرتسر اور ننکانہ صاحب کے درمیان بس سروس کے اجراء پر بھی بات چیت ہو گی۔

اس پیش رفت سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ 6 جنوری 2004ء کو اسلام آباد میں صدر پرویز مشرف اور بھارتی وزیر اعظم واجپائی کے درمیان جس تاریخ ساز معاہدے پر دستخط ہوئے تھے اور جسے ’’جامع مذاکرات‘‘ کی تاریخ ساز دستاویز قرار دیا گیا تھا‘ وہ ابھی تک صرف ان اقدامات پر مشتمل ہے جن کی تجویز بھارت کی طرف سے آئی اور جن کا کشمیر کے مسئلے سے دور کا بھی تعلق نہیں۔ ’’جامع مذاکرات‘‘ کے الفاظ فروری 1999ء کے ’’اعلانِ لاہور‘‘ میں بھی استعمال ہوئے تھے‘ تب باہمی مسائل کو آٹھ موضوعات میں تقسیم کر کے آٹھ کمیٹیاں قائم کر دی گئی تھیں اور کشمیر کے بارے میں اعلیٰ سطحی کمیٹی کی پیش رفت کو لازم قرار دیتے ہوئے طے پایا تھا کہ تمام دیگر کمیٹیوں کے فیصلے پر عمل درآمد‘ کشمیر کے بارے میں پیش رفت سے مشروط رہے گا‘ اگر پاکستان یہ محسوس کرتا ہے کہ کشمیر کو سرد خانے میں ڈال کر صرف دوسرے موضوعات یا آرائشی اقدامات کو اہمیت دی جا رہی ہے تو پاکستان اس بے مصرف مشق سے الگ ہو جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ سات ماہ کے اندر جہاں دیگر موضوعات پر بات ہوئی‘ وہاں کشمیر کے حوالے سے بھی پس منظر اور پیش منظر میں خاصی ہلچل رہی ہے۔

اگر غور کیا جائے تو جنوری 2004ء کے ’’اعلانِ اسلام آباد‘‘ کے بعد سے شروع ہونے والے ’’جامع مذاکرات‘‘ میں پاکستان کا کردار صرف اس قدر رہ گیا ہے کہ بھارت ایک تجویز پیش کرے اور پاکستان شرمیلی سی ہچکچاہٹ کے بعد گردن جھکا لے۔ اب تک جو کچھ بھی ہوا ہے‘ اس میں کوئی ایک بھی نمایاں تجویز ایسی نہیں جو پاکستان کی طرف سے پیش کی گئی ہو اور جسے بھارت نے لچک یا فراخ قلبی کا مظاہرہ کرتے ہوئے قبول کر لیا ہو۔ بعض معاملات میں تو ہمارا طرزِ عمل مضحکہ خیزی کی حدوں کو چھونے لگا‘ مثلاً یہ کہ سری نگر‘ مظفر آباد بس سروس کی تجویز بھارت کی طرف سے آئی۔ تجویز کا واضح مقصد یہ تھا کہ مقبوضہ کشمیر کو بھارت کا باضابطہ حصہ مان لیا جائے۔ سری نگر اور مظفر آباد کے درمیان بس سروس کے اجراء کے معاہدے پر بھارت اور پاکستان کے نمائندوں کے دستخطوں سے ہی یہ امر ثابت ہو جاتا ہے کہ یہ دونوں خطے بھارت اور پاکستان کا حصہ ہیں۔ پاکستان نے اس تجویز پر برہمی کی حدوں پر پہنچا ہوا انکار کیا۔ کچھ ہی عرصہ بعد جب یہ تجویز عملی شکل اختیار کر گئی تو ہماری وزارت خارجہ نے اہل وطن کو بتایا کہ ’’یہ تو ہماری تجویز تھی۔‘‘

> **رنگا رنگ اعتماد افزا اقدامات کا سرکس سجا ہوا ہے۔ آئے دن ایک نیا تماشا سٹیج کی زینت بنتا ہے۔ شہروں سے شہر اور دلوں سے دل مل رہے ہیں مگر کشمیر جامع مذاکرات کے میلے میں کھو جانے والے بچے کی طرح گم سم کھڑا ہوا ہے۔**

ان مذاکرات کا ایک اور پراسرار اور نہایت ہی خوفناک پہلو بھی ہے‘ اور وہ یہ کہ نہ صرف کھلے مذاکرات کے دوران ہونے والے تمام فیصلے بھارت کے حق میں جا رہے ہیں‘ پس چلمن کے مذاکرات کے سارے ثمرات بھی بھارت کی جھولی میں گر رہے ہیں۔ مثال کے طور پر ایل او سی پر لگنے والی باڑ۔ اس باڑ کا معاملہ کسی بھی سطح کے دوطرفہ مذاکرات کے درمیان زیر بحث نہیں آیا‘ لیکن بھارت نے کمال اطمینان اور یکسوئی کے ساتھ اپنا منصوبہ مکمل کر لیا‘ حالانکہ اس سے قبل اسے ایک ایک گز باڑ کے لئے ایک ایک ماہ جتن کرنے پڑتے تھے۔ بھارتی وزیر دفاع پرناب مکرجی کا یہ بیان ریکارڈ پر ہے کہ ایل او سی پر باڑ پاکستان کی در پردہ معاونت سے لگی ہے۔ اسی طرح بگلیہار ڈیم کا معاملہ بھی پراسراریت کے دبیز پردوں میں لپٹا ہوا ہے۔ 1999ء کے اواخر تک کسی نے یہ نام بھی نہیں سنا تھا اور اب یہ منصوبہ تکمیل کے آخری مراحل میں ہے۔ کشن گنگا ڈیم کی صورت حال بھی مختلف نہیں۔ کھلے مذاکرات کے ایجنڈے میں کبھی یہ بات نہیں آئی کہ کشمیر کے بارے میں اقوام متحدہ کی قراردادوں کے سٹیٹس کا تعین کیا جائے‘ لیکن نہ جانے کہاں یہ بات طے پائی اور پاکستان نے آپ ہی آپ یہ کہنا شروع کر دیا کہ وہ اقوام متحدہ کی قراردادوں سے دستکش ہونے کے لئے تیار ہے۔ یہ بات بھی کبھی باضابطہ مذاکرات کا موضوع نہیں رہی کہ پاکستان جہادی تنظیموں پر پابندی لگائے‘ آزاد کشمیر کو کشمیر کی آزادی کے بیس کیمپ کے طور پر استعمال نہ کرے‘ تحریک حریت کشمیر کی حمایت سے دستبردار ہو جائے یا سید علی گیلانی جیسے اہل جنوں سے رابطہ توڑ کر مرغانِ بادنما سے لو لگائے‘ لیکن یہ سب کچھ بھی ہو گیا۔ گویا خفیہ اور ظاہر مذاکرات کے دونوں دھارے پاکستان مخالف سمت بہہ رہے ہیں اور بھارت کے حصے میں وہ کچھ آ رہا ہے جس کا اس نے گزشتہ نصف صدی میں خواب بھی نہیں دیکھا تھا۔

صدر مشرف نے نیویارک میں منموہن سنگھ سے ملاقات کے بعد ناکامی اور تعطل کا تاثر دور کرنے کے لئے بھارت کی لچک کے چار مظاہر بیان کئے تھے‘ حالانکہ یہ اُن کی نہیں‘ منموہن سنگھ کی ذمہ داری تھی۔ یہ چار مظاہر یہ تھے کہ اب بھارت کشمیر پر بھی بات کرنے لگا ہے‘ وہ حریت کانفرنس کے لیڈروں سے ملنے لگا ہے‘ اس نے سری نگر‘ مظفر آباد بس سروس کی اجازت دے دی ہے اور منموہن سنگھ نے دورۂ پاکستان کی دعوت قبول کر لی ہے۔ یہ چار دلائل دراصل اس امر کی دلیل ہیں کہ بھارت اپنی مسلمہ روایتی پوزیشن سے بال برابر نہیں ہلا اور ہم اپنے دلِ بے تاب کو تسلی دینے کے لیے خود ہی بھارتی لچک کے مظاہر تراش رہے ہیں۔ بقول استاد ذوق:

کیا کیا فریب دل کو دیئے اضطراب میں
اُن کی طرف سے آپ لکھے خط جواب میں!

کشمیر تو بہت دور کی بات ہے بھارت تو سیاچین‘ بگلیہار ڈیم‘ سر کریک‘ وولر بیراج اور ایسے ہی دیگر سنجیدہ مسائل پر بھی کوئی رعایت دینے پر آمادہ نہیں۔ کشمیر کے بارے میں وہ یاد دہانی کراتا رہتا ہے کہ اب مذہبی بنیادوں پر کوئی نئی جغرافیائی حد بندی نہیں ہو سکتی۔ اس کے باوجود ہم عاشق زار کی طرح محبوب کی بے رخی کو بھی ناز و انداز کی ادائے دلفریب قرار دیتے ہوئے بے ننگ و نام گھاٹیوں

باقی صفحہ 12 پر

سوال: اسلام میں لونڈی کے تصور کو قرآن و سنت سے واضح کیجیے؟

جواب: لونڈی کا تصور اسلام میں یہ ہے کہ خالص اسلامی جہاد میں جو قیدی (POW) ہاتھ آتے ہیں' مرد ہوں یا عورتیں' ان کا اگر تبادلہ ہو سکے تو تبادلہ کر نا ٹھیک ہے۔ اگر خطرہ ہو کہ چھوڑنے سے کفر کو تقویت پہنچتی ہے' تو اس صورت میں اسلام نے یہ تجویز کیا ہے کہ وہ مجاہدین میں تقسیم کر دیے جائیں۔ان کی حیثیت غلام یا عورت ہونے کی صورت میں لونڈی کی ہوگی۔کسی آزاد مرد یا آزاد عورت کو کہیں سے پکڑ کر بیچ دینا یا لونڈی بنا دینا جائز نہیں۔ یہ حرام مطلق اور گناہ کبیرہ ہے۔

سوال: خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کے قیام کے لیے موجودہ دور میں طلبہ کی کیا ذمہ داری ہے؟ (یاسر فرید)

جواب: طالب علم اور غیر طالب علم کے مابین کوئی فرق نہیں ہے۔فرق ہے سمجھ میں آ جانے کا۔ایک شخص بالغ ہو گیا ہے' شعور حاصل ہو گیا ہے' لیکن اُس نے سمجھا ہی نہیں کہ دین کی جدوجہد کرنا بھی فرض ہے' تب تو ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ نرمی برتے' لیکن جسے سمجھ میں آ گیا' اب اس کا پہلا کام یہ ہے کہ وہ کسی جماعت کو تلاش کرے' جو اس کام کے لیے جدوجہد کر رہی ہو۔اس کے ساتھ مل کر نظام خلافت کے قیام کے لیے جدوجہد کرے۔

سوال: کچھ لوگ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کا سایہ نہیں تھا۔اس کی وضاحت فرمایئے؟ (محمد عمر خالد)

جواب: نہیں! یہ درست نہیں ہے۔ ہری پور ہزارہ میں قاضی عبدالدائم صاحب ہیں، انہوں نے اس موضوع پر بڑی اچھی کتاب لکھی ہے۔وہ بریلوی مکتبہ فکر سے تعلق رکھتے ہیں۔مولانا احمد رضا خان صاحب کا انہوں نے بڑی عقیدت کے ساتھ اس کتاب میں تذکرہ کیا ہے۔لیکن انہوں نے اس معاملے میں اُن سے دلائل کے ساتھ بہت شدید اختلاف کیا ہے۔بہرحال' یہ بات بالکل بے بنیاد ہے۔

سوال: دجال کے بارے میں کچھ بتایئے' کیا انٹرنیٹ کا تعلق کچھ اس سے ہو سکتا ہے؟

جواب: مغربی تہذیب درحقیقت دجالی نظام ہے۔جو ''Develop'' ہو کر اس انتہا کو پہنچ جائے گی کہ ''Forces of Nature'' پر دجالی قوتوں کو مکمل تسلط حاصل ہو جائے گا۔پھر دجال آئے گا اور وہ کہے گا کہ میں خدا ہوں۔مجھے سجدہ کرو' مجھے پوجو۔مسلمانوں میں سے بھی بہت سے لوگ ڈگمگا جائیں گے اور اس کو خدا مان لیں گے۔ حضورؐ جو دعائیں مانگا کرتے تھے ان میں سے ایک دعا یہ بھی تھی (وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ فِتْنَۃِ الْمَسِیْحِ الدَّجَّالِ) ''اے اللہ! میں تیری پناہ طلب کرتا ہوں، مسیح دجال کے فتنے سے۔'' یہ دعا ہمیں بھی اپنی دعاؤں میں شامل رکھنی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس فتنے سے محفوظ رکھے۔البتہ سائنسی ترقی اور مغربی تہذیب میں فرق واضح رہنا چاہیے۔انٹرنیٹ ہو یا کوئی اور شے اس کا غلط استعمال یقیناً دجالیت کا راستہ دکھائے گا۔

سوال: تقدیر اور مقدر میں اللہ تعالیٰ جس چیز کی توفیق دے وہی ہوتا ہے اور کیا ہم خود بھی کوئی اختیار رکھتے ہیں۔ اس الجھن کی وضاحت کریں؟

جواب: ہمارا اختیار اتنا ہی ہے کہ ہم ارادہ کر سکتے ہیں۔ میں ہاتھ اٹھانے کا ارادہ کر سکتا ہوں' اٹھا نہیں سکتا' اگر اللہ کا اذن نہ ہو۔اس لیے کہ پوری کائنات اللہ کے زیر حکم ہے۔ انسان کے حکم میں نہیں ہے۔اس ہاتھ کے اوپر ہوا کا پریشر ہے۔ ہمارے جسم پر ہوا کا دباؤ ہے۔ اس کے باوجود یہ حرکت کر رہے ہیں تو یہ سارا معاملہ اذن رب کے تحت ہے۔البتہ ان تمام چیزوں سے بالاتر اللہ تعالیٰ کی اپنی ایک تدبیر ہے اور وہ اپنی تدبیر پوری کرتا ہے۔تمام چیزیں جو نیچے ہیں اپنے ارادے کے تحت جو کچھ کر رہی ہیں' اس کو بھی اللہ تعالیٰ اپنی اس گرینڈ سکیم کے اندر فٹ کر لیتا ہے۔یہ اس کی قدرت ہے۔مختصر یہ کہ انسان کا ارادہ صرف اللہ کے اذن سے پورا ہو سکتا ہے۔

سوال: میں بنک میں ملازم ہوں۔ مجھے بنک کی طرف سے گھر کے لیے قرضہ ملا ہے۔میرا دل چاہتا ہے کہ میں والدین کو حج کراؤں۔ برائے مہربانی مجھے گائیڈ کر دیں کہ میں ان روپوں سے والدین کو حج کروا سکتا ہوں؟ (رائے شہناز)

جواب: یہ دھوکہ ہوگا' کیونکہ آپ نے قرض مکان کے لیے لیا ہے۔اس سے بھی پہلے بنک کی سروس کا مسئلہ زیر غور آنا چاہیے کہ آپ کو یہ کام کرنا چاہیے یا نہیں۔ ویسے تو سود سے ہمارے معاشرے میں کوئی بھی بچا ہوا نہیں ہے۔ لیکن سود کہیں گاڑھا ہے کہیں پتلا ہے۔یہ بنک تو اصل میں ہے ہی سود کا دھندا' کہ کم شرح سود پر آپ ''Deposit'' لیں اور زیادہ شرح سود پر ایڈوانس دیں ،درمیان میں وہی ''Difference'' بنک کی بچت ہے۔ بنک کا بنیادی کام سود کا لین دین ہے۔ ایسے ادارے کی ملازمت سے بچنا چاہیے۔ظاہر ہے کہ بنک کی آمدنی کے حلال و حرام کا مسئلہ تشویشناک ہے۔ پھر یہ کہ آپ نے یہ کہہ کر قرض لیا ہے کہ آپ مکان بنانا چاہتے ہیں۔اگر ایسا نہیں کرتے تو یہ دھوکہ ہوگا۔دوسرے یہ کہ اگر آپ کے پاس وسائل نہیں ہیں' نہ آپ کے والدین کے پاس ہیں' تو حج فرض ہی نہیں ہے

سوال: اللہ کی ذات کے بارے میں آنے والے خیالات کو رد کرنے کا طریقہ اور ان خیالات پر مواخذہ کی وضاحت کریں۔

جواب: شیطان کو اللہ نے یہ اختیار دے رکھا ہے کہ وہ ہمارے دل میں وسوسہ اندازی ڈال سکتا ہے ﴿الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ مِنَ الْجِنَّۃِ وَالنَّاسِ﴾ (الناس:5) لیکن خیال اور وسوسہ کے بارے میں حدیث میں وضاحت ہے کہ اس پر کوئی مواخذہ نہیں ہے البتہ اس بات کو زبان سے نہ نکالیں۔ جب بھی کوئی وسوسہ آئے تو فوراً پڑھیں۔(لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ)۔ذہن میں یہ رکھیے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے بارے میں کوئی تصور ہم نہیں کر سکتے۔

سوال: عام طور پر ہمارے ہاں جو تصور ہے کہ یہ پہلا آسمان ہے جو ہمیں نظر آتا ہے۔اس کے بعد مزید اوپر کی جانب جائیں تو سات آسمان، پھر عرش اور کرسی ہے۔اس طرح یہ محسوس ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات شاید بہت دور کسی انتہائی بلند مقام پر موجود ہے مگر قرآن حکیم تو کہتا ہے کہ وہ ذات ہر جگہ موجود ہے۔

جواب: اس سلسلہ میں ایک موقف اصحاب ظاہر کا ہے' جن کے نزدیک اللہ تعالیٰ اپنی ذات کے اعتبار سے تو کسی خاص مقام پر ہے اور بہت بلند ہے' بہت دور ہے' لیکن اپنی صفات کے اعتبار سے ہر جگہ موجود ہے۔اس کی سماعت، اس کی بصارت، اس کا علم چونکہ ہر شے کو محیط ہے تو گویا کہ وہ خود موجود ہے۔صحیح موقف یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کا کوئی تصور ہم قائم نہیں کر سکتے۔جیسے قرآن میں آیا ہے کہ اللہ کا چہرہ ہے' لیکن ہم نہیں جان سکتے کیسا ہے۔اسی طرح قرآن کہتا ہے 'یدُ اللّٰہ' (اللہ کا ہاتھ) لیکن ہم کوئی تصور نہیں کر سکتے کہ اللہ کا ہاتھ کیسا ہے۔بالکل اسی طرح کہیے کہ اللہ ہر جگہ ہے' لیکن ہمارے لیے اس کیفیت کا تصور یا احاطہ ممکن نہیں ہے۔

✿✿✿

دعائے صحت

تنظیم اسلامی علامہ اقبال ٹاؤن' لاہور کے رفیق جناب جواد عباس صاحب کی والدہ ماجدہ گردوں کے عارضے کے باعث ہسپتال میں زیر علاج ہیں۔قارئین اور رفقاء سے ان کی جلد صحت یابی کے لیے دعا کی درخواست ہے۔

دعائے مغفرت

☆تنظیم اسلامی اسرہ پھالیہ (ضلع منڈی بہاؤ الدین) کے مبتدی رفیق مولوی عبدالخالق (ریٹائرڈ سکول ٹیچر) طویل علالت کے بعد گزشتہ دنوں خالق حقیقی سے جا ملے۔

نجات کی راہ

فریداللہ مروت

اسلام ہی اللہ تعالیٰ کی بتائی ہوئی سیدھی اور سچی راہ ہے' مکمل ضابطہ حیات ہے' زندگی گزارنے کا لائحہ عمل ہے اور اللہ کی خوشنودی کا ذریعہ ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًاۢ بَيْنَهُمْ ۭ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ۝﴾

(آل عمران:19)

"یقیناً دین تو اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے اور اہل کتاب نے جو (اس دین سے) اختلاف کیا تو علم حاصل ہونے کے بعد آپس کی ضد کی وجہ سے کیا۔ اور جو شخص اللہ کی آیتوں کو نہ مانے تو اللہ جلد حساب لینے والا (اور سزا دینے والا) ہے۔"

اسلام کی دعوت یہ ہے کہ سارے انسان اللہ تعالیٰ کو وحدہٗ لاشریک مانیں' اس کے سب رسولوں اور سب کتابوں پر ایمان لائیں' خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو اللہ کا آخری نبی اور رسول مانیں' قرآن مجید پر ایمان لائیں اور محمد رسول اللہ ﷺ نے اللہ کی طرف سے جو شریعت پیش فرمائی ہے' اس کو مانیں۔ جو شخص یہ دعوت قبول کرے گا وہ مسلم ہوگا اور جو شخص اس دین و شریعت کا انکار کرے گا وہ کافر ہوگا۔ کافر آگ کے دائمی عذاب میں رہے گا۔

شریعت اسلامیہ کا قانون ہے کہ مسلمان کافروں سے جنگ کرنے سے پہلے انہیں اسلام کی دعوت دیں' اگر وہ اسلام قبول کرلیں تو کوئی لڑائی اور جنگ نہیں' اگر اسلام قبول نہ کریں تو ان سے جزیہ دینے کو کہا جائے' لیکن اگر وہ جزیہ دینا بھی قبول نہ کریں تو پھر ان سے جنگ کی جائے۔ جہاد کا مقصودِ اعلیٰ کافروں کو دین حق کی جانب بلانا ہے' تاکہ وہ جنت کے مستحق ہو جائیں۔ اِس طرح اگر جنگ کر کے کسی قوم کو دوزخ سے بچا کر جنت کا مستحق بنا دیا جائے تو یہ اس کے ساتھ گویا بہت بڑا احسان ہے۔

آج کل دشمنانِ اسلام اور اسلامی تاریخ کا مطالعہ کیے بغیر اسلام کے تصورِ جہاد پر اعتراض کرتے ہیں اور یوں خود اپنا برا کرتے ہیں۔ اسلام کا جہاد توحید کی دعوت دینے کے لیے اور انسانوں کو بندوں کی عبودیت سے نکال کر خالقِ کائنات کی عبادت کی طرف لانے کے لیے ہے۔ دنیا سے کفر و شرک مٹانے کے لیے اور خالق و مالک کے عطا کردہ نظام زندگی کے باغیوں کی سرکوبی کے لیے ہے۔ جو زمین پر اللہ کی بجائے ''طاغوت'' کی حکمرانی قائم کرنا چاہتے ہیں۔ ایسے عظیم جہاد پر تو دشمنانِ اسلام کو اعتراض ہے لیکن صدیوں سے دشمنانِ اسلام ایشیاء کے ممالک پر قبضہ کرتے رہے اور اس میں لاکھوں' کروڑوں خون ہوئے۔ 1857ء میں انگریزوں نے ہندوستانیوں کا قتل عام کیا اور 1914ء اور 1944ء میں جو عالمی جنگیں ہوئیں' ہیروشیما اور ناگاساکی پر ایٹم بم پھینکا گیا اور ڈھائی لاکھ انسانوں کو ہلاک کیا گیا' طویل زمانے تک صلیبی جنگیں ہوتی رہیں' جن میں لاکھوں انسان تہہ تیغ ہوئے۔ افغانستان اور عراق میں

> اسلام کا جہاد توحید کی دعوت دینے کے لیے اور انسانوں کو بندوں کی عبودیت سے نکال کر خالق کائنات کی عبادت کی طرف لانے کے لیے ہے۔

کلسٹر اور ڈیزی کٹر جیسے خوفناک بم استعمال کر کے خون کی ندیاں بہا دی گئیں۔ آخر یہ سب کچھ کون سی خیر پھیلانے کے لیے ہوا؟ کیا مسلمانوں کے خلاف دہشت گردی کے پیچھے ملک گیری کی ہوس اور کفر و شرک پھیلانے کے عزائم اور دین اسلام کو مٹانے کے ارادے نہیں ہیں؟

اسلامی جہاد پر اعتراض کرنے والے آئینہ میں اپنا منہ نہیں دیکھتے' بلکہ اللہ کے باغیوں کی بغاوت کو کچلنے والوں کے جہاد اور قتال پر اعتراض کرتے ہیں۔ جب سے دنیا میں اسلام آیا ہے دشمنانِ اسلام نے اس کی روشنی کو بجھانے اور اس کی ترقی کو روکنے میں کبھی کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی اور آج بھی کفار دین اسلام اور مسلمانوں کو مٹانے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔

لیکن الحمد للہ حلقۂ اسلام بڑھ رہا ہے۔ خود دشمنوں کے ممالک اور گھروں میں پھیل رہا ہے اور ان کے افراد برابر مسلمان ہو رہے ہیں۔ وہ اپنی آنکھوں سے اسلام کا پھیلاؤ دیکھ رہے ہیں۔ اور اسلام کو روکنے کے لیے کروڑوں ڈالر خرچ کر رہے ہیں مگر اسلام پھیلتا چلا جا رہا ہے کہ۔

اسلام کی فطرت میں قدرت نے لچک رکھ دی
اتنا ہی یہ اُبھرے گا جتنا کہ دباؤ گے

درحقیقت اسلام کے علاوہ کوئی مذہب' فلسفہ یا ازم راہِ بصیرت اور ہدایت نہیں ہیں۔ غیر مسلموں کے اپنے بنائے ہوئے دین ہیں۔ جن کی حقانیت وہ دلائل سے ثابت نہیں کر سکتے۔

ہم پوری بصیرت کے ساتھ تمام اقوام کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دیتے ہیں اور واضح طور پر اعلان کرتے ہیں کہ اپنے باپ دادوں کی تقلید چھوڑیں' اپنے دین کے انتخاب میں بڑوں کے بہکاوے میں نہ آئیں' اپنی آخرت کی خود فکر کریں اور منکر اسلام ہو کر اپنی جان کو آخرت کے عذاب کے لیے تیار نہ کریں۔

ہماری دعوت جہاں غیر مسلموں کو ہے کہ اسلام قبول کریں' اہل اسلام کو بھی ہے کہ اسلام کی دعوت دیں اور غیر مسلموں کو حکمت و موعظت کے ساتھ اسلام پیش کرتے رہیں۔ پوری انسانیت کی بھلائی اسی میں ہے کہ آخرت کی دائمی زندگی میں نجات حاصل کرنے کی فکر کریں۔ جو صرف اسلام قبول کرنے اور اس پر پوری طرح عمل کرنے اور اس پر پوری طرح عمل کرنے میں مضمر ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں اسلامی تعلیمات پر عمل کرنے اور غیر مسلموں تک اسلام کی دعوت پہنچانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

بقیہ: ''یادوں کی تسبیح''

بہت تعریف ہوئی۔ آج اگر ہمارے ہاں صدارتی محل اور گورنر ہاؤسوں میں اسی طرح عدل کی زنجیریں لٹکا دی جائیں اور لوگوں کو فوراً ہاتھ کے ہاتھ عدل و انصاف میسر ہو جائے تو جلد ہی معاشرہ میں بہت بڑی تبدیلی واقع ہو سکتی ہے۔ لیکن اسے کرے کون؟ ہے آج کا کوئی ''شہنشاہ جہانگیر'' جو ہماری اس فریاد کو سنے! لاہور میں دفن شہنشاہ جہانگیر کے مقبرے کے مینارے نوحہ خواں ہیں۔ ہے کوئی جو اِس نوحہ کو سنے! (جاری ہے)

ضرورت رشتہ

☆ پابند شریعت' حافظ قرآن' عمر 34 سال کو بوجہ اولاد دوسری شادی کے لیے نیک سیرت' گھریلو' باپردہ' اُردو سپیکنگ عمر 30 سال تک لڑکی کا رشتہ درکار ہے۔ حافظہ یا عالمہ کو ترجیح دی جائے گی۔

رابطہ: حافظ محمد طاہر

فون: 0333-4383391

حلقہ سرحد جنوبی کا مظاہرہ

تنظیم اسلامی پاکستان کے ملک گیر سطح پر سودی معیشت کے خلاف مظاہروں کے لیے 05 ستمبر کا دن طے کیا گیا تھا۔ حلقہ سرحد جنوبی کے رفقاء اس ضمن میں 05 ستمبر کو سنہری مسجد پشاور صدر میں نمازِ عصر سے پہلے جمع ہوئے۔ نمازِ عصر کے بعد راقم نے مظاہرہ کے متعلق ہدایات اور روٹ سے رفقاء کو آگاہ کیا۔ سنہری مسجد سے رفقاء صدر کے علاقہ چوک فوارہ ٹیپو سلطان روڈ' لیاقت بازار' مین صدر روڈ سے ایک منظم شکل میں ٹی بورڈز اُٹھائے ہوئے اِس مظاہرہ کے اختتامی جگہ پر پہنچے۔

چوک فوارہ میں راقم نے چند منٹ خطاب کیا۔ سنہری مسجد سے نکلتے وقت پریس فوٹوگرافرز نے ٹی بورڈز اور رفقاء کی تصاویر اُتاریں جو کہ اگلے دن کئی ایک اخبارات میں شائع ہوئے۔ مظاہرہ کے اختتام پر خورشید انجم امیر تنظیم پشاور نے پریس ریلیز تیار کی جس کو مختلف اخبارات کو فیکس کیا گیا۔ (مرتب: میجر (ر) فتح محمد)

میانوالی کے مظاہرے کی روداد

بروز سوموار حلقہ اور مرکز کی ہدایت کے مطابق تنظیم اسلامی میانوالی کے زیرِ اہتمام سود اور حکومت کے اسرائیل کے ساتھ تعلقات کے خلاف مین بازار' مسلم بازار میانوالی میں ٹی بورڈ اُٹھا کر مظاہرہ کیا جن پر درج ذیل عبارت لکھی گئی تھی۔ (1) کاروبار سود کا۔ جال ہے یہود کا (2) سود اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کے خلاف اعلان جنگ ہے۔ (3) جب تک معاش میں سود ہے۔ تو یہ تسبیح سب بے سود ہے۔ (4) سود کا کمال۔ معیشت کا زوال۔ (5) مسجد اقصیٰ کے قابض سے دوستی۔ کبھی نہیں۔ کبھی نہیں (6) اسرائیل کے ساتھ تعلقات اسلامی روایات اور عوامی خواہشات سے بغاوت ہے۔

شہر میں مظاہرہ کے بعد گورنمنٹ ہائی سکول روڈ سے ہوتے ہوئے ڈسٹرکٹ ہیڈ کوارٹر چوک سے ضلع کچہری' تحصیل ہیڈ کوارٹر اور ویگن اڈہ وتہ خیل چوک سے ضلع کچہری' تحصیل ہیڈ کوارٹر اور ویگن اڈہ وتہ خیل چوک پر ختم ہوا۔ بلدیاتی انتخابات کی وجہ سے دفعہ 144 نافذ تھی اس لیے جلسے کا اہتمام تو نہیں ہو سکا بہر حال ٹی بورڈ کے ذریعے بھرپور مظاہرہ ہوا۔ انتظامیہ نے کوئی مداخلت نہیں کی۔ میانوالی میں یہ پہلا مظاہرہ تھا جس سے ساتھیوں کی تربیت اور اعتماد میں اضافہ ہوا۔ 10 رفقاء اور 8 احباب نے مظاہرے میں حصہ لیا۔

(مرتب: محمد عبداللہ خان)

تنظیم اسلامی وسطی لاہور کا ماہانہ تربیتی و دعوتی اجتماع

تنظیم اسلامی وسطی لاہور کا ماہانہ تربیتی و دعوتی اجتماع 18 ستمبر صبح 10 بجے' 37 حق سٹریٹ اُردو بازار لاہور منعقد ہوا۔ پروگرام کا آغاز جناب شکیل نے تلاوت قرآن حکیم سے کیا اور تلاوت شدہ آیات بینات کی روشنی میں بعثت انبیاء علیہ والسلام اور نزول کتب الٰہی کے بنیادی مقاصد اور غرض وغایت اور دین اسلام کے نظام عدل وقسط احسن انداز میں بیان کیا۔ رضوان شمس نے ندائے خلافت میں مطبوعہ مضمون ''لمحہ فکریہ'' پڑھ کر سنایا اور محمد ولید نے بھی ''پیسہ'' (حُبّ مال وزر) پرُ اثر نظم پڑھی۔ مبارک گلزار نے ''اسلامی تصوف میں غیر اسلامی نظریات کی آمیزش'' پر چشم کشا گفتگو کی۔ امجد محمود نے ''فرائض دینی کے جامع تصور'' کو ایک چارٹ کی مدد سے جملہ اصطلاحات کو دل نشیں پیرایہ میں سامعین کے سامنے پیش کیا۔ خالد مختار نے ''ماہِ محبت'' (رمضان المبارک) کی آمد پر عظمت صیام وقیام رمضان' روزہ کی فرضیت اور اس کی اہمیت' عظمت پر انتہائی مدلل گفتگو کی۔ نثار حامد خان نے سورۂ احزاب اور حدیثِ مبارکہ کی روشنی میں ذکر کی فضیلت اور عظمت کو اُجاگر کیا۔ نیز موصوف نے کہا کہ ''ذکر حقیقت'' کے تین درجات ''منصوص'' ''ماثور'' اور ''مسنون'' نصوصِ قرآنیہ' سنتِ رسول ﷺ اور عمل صحابہؓ سے مصدوق شدہ ہے اور ہر مسلمان کو اِن مسلمہ اذکار کو کرنا چاہیے تا کہ رضائے الٰہی حاصل ہو سکے' مقرر موصوف نے مذکورہ بالا مصدق ''مسنون اذکار'' اور ''فرض نماز کے بعد مسنون اذکار'' پر مبنی پمفلٹ سامعین میں تقسیم کیے۔ محمد عبدالرشید رحمانی نے تنظیم اسلامی کی بنیادی فکر اور دعوت کو سامعین کے سامنے پیش کیا اور نمازِ ظہر کے بعد تمام رفقاء تنظیم اور تمام مسلمانوں کے لیے رب کائنات کی بارگاہِ صمدیت میں دعائے خیر مانگیں۔ تمام حاضرین کو کھانا کھلایا گیا۔ اس کے ساتھ یہ تربیتی و دعوتی پروگرام اپنے اختتام کو پہنچا۔ اس تربیتی پروگرام میں تقریباً 45 رفقاء تنظیم اور احباب نے شرکت کی سعادت حاصل کی۔ (مرتب: عبدالرؤف اختر)

ماہانہ نہی عن المنکر باللسان پروگرام

رفقاء تنظیم اسلامی فیصل آباد ہر ماہ نہی عن المنکر باللسان کا فریضہ ادا کرتے ہیں۔ اسی سلسلہ میں 25 ستمبر بروز اتوار 25 رفقاءِ اور احباب صبح نو بجے مبارک مسجد سر سید ٹاؤن میں اکٹھے ہوئے۔ امیرِ حلقہ محمد رشید عمر نے رفقاء کو تربیت اور ہدایات دیں۔ ملک احسان الٰہی نے سود کے نقصانات پر روشنی ڈالی۔ اس کے بعد تمام رفقاء کی دو دو افراد پر مشتمل جماعتیں بنا کر محلہ اور بازاروں کی طرف روانہ کر دی گئیں۔ رفقاء کے پاس سود اور فحاشی کے خلاف ہینڈ بلز بھی تھے۔ اہل علاقہ کے پاس جا کر رفقاء نے سود اور فحاشی کے گناہ اور نقصانات کے متعلق قرآن و حدیث کی روشنی میں بتایا اور ہینڈ بلز تقسیم کیے۔ مجموعی طور پر لوگوں نے اس کام کو بہت پسند کیا۔ تمام رفقاء پونے بارہ بجے تک واپس آ گئے۔ اگلے ماہ کے پروگرام کے لیے 16 اکتوبر 2005 بروز اتوار ساڑھے نو بجے بمقام مسجد العزیز پیپلز کالونی طے کیا گیا۔ رمضان المبارک کے پروگرام' نماز تراویح اور ترجمہ قرآن مجید کے متعلق بھی ہدایات دیں۔ آخر میں امیر حلقہ کی اختتامی دعا کے بعد رفقاء اس عزم کے ساتھ اپنے گھروں کو روانہ ہوئے کہ زندگی بھر دین کی سربلندی کے لیے کام جاری رکھیں گے۔

(مرتب: محمد اکرم حلقہ پنجاب غربی)

خصوصی تربیت گاہ برائے نقباء

4 ستمبر کی شب بعد از نمازِ مغرب نقباء کے لیے ایک خصوصی تربیتی پروگرام منعقد کیا گیا۔ اس پروگرام کا مقصد نقباء کی علمی اور عملی تربیت اور اِن کی دعوتی سرگرمیوں میں ولولہ بحال کرنا تھا۔ اس لیے اس پروگرام میں جن دو عنوانات پر گفتگو ہوئی ان میں سے ایک تو اسلام اور پاکستان تھا۔ ذاتی رابطوں کے دوران اٹھنے والے سوالات کے جوابات اور ان کی توجیہات کو نقباء کے ذہن میں مستحضر رکھنے کے لیے یہ بہترین کتابچہ ہے اس کا مطالعہ امیر محترم ڈاکٹر رفیع الدین صاحب نے کروایا۔ اس مطالعہ سے فارغ ہو کر ساتھیوں نے نماز عشاء ادا کی۔ بعد از نماز معتمد عبدالخالق نے نظام العمل میں موجود نقیب اسرہ کے خاکے کو موضوع بنا کر نقیب میں مطلوبہ خصوصیات کو بورڈ کی مدد سے واضح کیا اور اس بات پر زور دیا کہ نقیب کو اپنی انتظامی اور تربیتی ذمہ داریوں میں توازن کو ملحوظ رکھنا چاہیے۔ کیونکہ صرف انتظامی امور نمٹانے سے تنظیم کی دعوت میں سست روی ہے۔ جبکہ نقیب کو اپنی توجہ رفقاء کی دعوت پر رکھنی چاہیے کہ وہ اپنے اپنے حلقہ تعلقات میں ایک موثر داعیِ تنظیم بن کر ابھریں۔ اس تربیتی نشست میں تمام ذمہ دارانِ مقامی تنظیم نے شرکت کی اور اس طرح کی تربیتی نشستوں کے بار بار انعقاد پر زور دیا جائے۔ (رپورٹ: عبدالخالق)

عراقی صدر و وزیراعظم کے مابین اختلافات

ایک خبر کے مطابق کردستان اتحاد اور عراق کے حکمران اتحاد کے مابین ہونے والے معاہدے پر عمل درآمد کے سلسلے میں عراقی صدر جلال طالبانی اور عراقی وزیراعظم ابراہیم جعفری کے درمیان اختلافات پیدا ہو گئے ہیں۔ عراقی صدر نے جناب ابراہیم پر الزام عائد کیا ہے کہ وہ قانون کی خلاف ورزی کرتے ہوئے معاہدے کی شقوں پر عمل درآمد نہیں کر رہے۔ عراقی صدر کا کہنا ہے کہ وہ یک طرفہ طور پر ایسے فیصلہ کر رہے ہیں جو دونوں اتحادوں کے مفادات کے خلاف ہیں۔ یاد رہے کہ دونوں رہنماؤں کے مابین اختلافات بڑے نازک وقت پر سامنے آئے ہیں' دونوں 15 اکتوبر کو ہونے والے اس ریفرنڈم کو کامیاب بنانے کے لیے سرتوڑ کوششیں کر رہے ہیں جو نئے عراقی آئین کے سلسلے میں منعقد ہوگا۔

ایٹمی منصوبے سے دستبرداری؟ بالکل نہیں!

امریکیوں کی بھرپور کوشش ہے کہ کسی طرح ایرانی ایٹمی منصوبہ ختم ہو جائے مگر وہ اب تک کامیاب نہیں ہو سکے۔ فی الوقت ایرانیوں کا عزم و ارادہ دیکھتے ہوئے یہی لگتا ہے کہ وہ اپنے ایٹمی منصوبے کو پایۂ تکمیل تک پہنچا کر ہی دم لیں گے۔ ایرانی صدر ڈاکٹر محمود احمدی نژاد نے کہا ہے کہ ''ایٹمی توانائی کا پُرامن استعمال کرنا ایران کا حق ہے' اگر یورپی ممالک یا کسی اور ملک نے انہیں یہ حق استعمال کرنے سے روکنے کی کوشش کی تو یہ امتیازی سلوک ہوگا۔''

امریکا نے اگر ایران کے معاملے میں طاقت کا استعمال کیا' تو مشرق وسطیٰ میں ایک خون ریز جنگ چھڑ سکتی ہے' کیونکہ ایران عراق تو نہیں' جہاں امریکیوں کو کامیابی طشتری میں رکھی مل گئی تھی۔ ایران معاشرتی' مالی' فوجی اور معاشی لحاظ سے کہیں زیادہ طاقت ور ملک ہے' اور اگر امریکا نے اپنے حواری اسرائیل کے ساتھ مل کر ایرانی ایٹمی تنصیبات پر ہوائی حملے کیے تو ہو سکتا ہے کہ تیسری عالمی جنگ چھڑ جائے۔

کشمیر میں بھارتی فوج کا ظلم

مقبوضہ کشمیر میں بھارتی فوج نہتے اور معصوم کشمیریوں پر جو ظلم ڈھا رہی ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ اطلاعات کے مطابق بھارتی فوج نے پلوامہ کے علاقہ ترال میں کشمیریوں کی وسیع اراضی پر قبضہ کر لیا ہے جو اس کا ''تازہ کارنامہ'' ہے۔ زمینوں کے مالکان نے اس ناجائز قبضے پر شدید احتجاج کیا مگر بے سود۔ متاثرین نے تحریری طور پر کٹھ پتلی وزیر داخلہ عبدالرحمٰن ویری کو بھی اس واقعے سے مطلع کر دیا ہے' مگر تاحال کوئی کارروائی نہیں ہوئی۔

بھارت میں دو اسلامی چینلوں کا قیام

بھارت میں دو ٹی وی چینل ''کتاب'' اور ''امن'' (پیس) کے نام سے شروع ہو رہے ہیں۔ اول الذکر رمضان کے دوران جب کہ آخر الذکر دو ماہ بعد اپنی نشریات شروع کرے گا۔ ''کتاب'' کے مالک اختر شیخ ہیں اور ''امن'' بھارت کے ممتاز مبلغ ڈاکٹر ذاکر نائیک شروع کر رہے ہیں۔ اختر صاحب کا کہنا ہے کہ بھارتی ٹی وی پر کچھ عرصے سے پردے اور دہشت گردی کے خلاف بے سروپا باتیں کہی جا رہی ہیں' جس سے اسلام کا حقیقی چہرہ چھپ گیا ہے۔ اس لیے انہوں نے ٹی وی چینل شروع کرنے کا فیصلہ کیا ہے تاکہ مسلمانوں کے مسائل کو اسلامی نقطۂ نگاہ کے مطابق پیش کیا جا سکے۔

یہ یاد رہے کہ دیوبند کے علما کا کہنا ہے کہ ٹی وی دیکھنا ناجائز ہے' لیکن مولانا برہان الدین قاسمی نے کہا ہے کہ ذرائع ابلاغ کے اس ذریعے کی اہمیت سے انکار ممکن نہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ ٹی وی کو اگر مثبت طریقے سے استعمال کیا جائے' تو یہ زحمت کے بجائے نعمت بن سکتا ہے۔

امریکی یہاں سے چلے جائیں: تاجکستان

تاجکستان کے صدر امام علی رحمانوف نے امریکا سے کہا ہے کہ وہ چھ ماہ کے اندر اندر اپنے فوجی اڈے خالی کر دے' کیونکہ افغانستان کی جنگ ختم ہو چکی ہے' نیز وہ اڈے ان کے قومی مفادات کے خلاف ہیں۔ یاد رہے کہ ازبکستان نے بھی امریکا کو چھ ماہ کا وقت دے رکھا ہے تاکہ وہ وہاں قائم اپنے اڈے بند کر دے۔ امریکیوں کا دعویٰ ہے کہ تاجکستانی اور ازبکستانی حکومتوں نے روس کے اشاروں اور پشت پناہی پر یہ فیصلے کیے ہیں۔ کیا اس کے معنی یہ ہیں کہ روس اور امریکا کے درمیان ایک نئی سرد جنگ جنم لے رہی ہے؟ ہو سکتا ہے کہ اس نئی جنگ میں چین بھی اہم کردار ادا کرے' کیونکہ وہ جلد یا بدیر دنیا کی ایک بڑی طاقت بن جائے گا۔

ہسپانوی فوج کی واپسی

اسپین کے وزیراعظم جوز لوئس نے اعلان کیا ہے کہ 12 اکتوبر تک اسپین کے تمام 500 فوجی افغانستان سے واپس گھر آ جائیں گے۔ انہوں نے ہسپانوی پارلیمان سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ افغانستان میں پارلیمانی انتخابات مکمل ہو چکے ہیں' اس لیے ہسپانوی فوجی 12 اکتوبر تک وطن واپس آ جائیں گے۔

غزہ پر اسرائیلی حملے

غزہ پٹی سے اسرائیلی فوج کے نکلتے ہی وہاں حماس اپنی طاقت دکھانے کے لئے مظاہرے کرنے لگی ہے۔ پچھلے دنوں ایک ایسے ہی مظاہرے پر اسرائیلیوں نے راکٹ برسا دیے۔ جواب میں حماس نے بھی اسرائیلی علاقے پر راکٹ پھینکے' اس پر اسرائیلی حکومت نے جدید ترین ہتھیاروں کا استعمال کیا۔ دراصل جنوری میں فلسطین میں انتخابات ہو رہے ہیں اور حماس چاہتی ہے کہ وہ اس میں زیادہ سے زیادہ نشستیں حاصل کرے تاکہ اپنے آپ کو مضبوط کر سکے۔

حماس کے لئے انتخابات میں زیادہ نشستیں حاصل کرنا مشکل نہیں کیونکہ محمود عباس کی قیادت میں فلسطینی اتھارٹی کی کارکردگی اچھی نہیں' اس میں بے ایمانی اور رشوت کا دور دورہ ہے۔ وہ فلسطینیوں کی کوئی خدمت نہیں کر رہی اور نہ ہی علاقے میں استحکام لا سکی ہے۔ درحقیقت وہ بدنظمی سے بھرپور حکومت ہے۔ اس کے مقابلے میں حماس کے رہنما اپنی شرافت اور مضبوط کردار کے باعث عام فلسطینیوں میں مقبول ہیں اور امکان یہی ہے کہ فلسطینی انتخابات میں حماس کے امیدواروں کو ووٹ دیں گے۔ اس امکان سے اسرائیل چراغ پا ہے کیونکہ وہ حماس کا کٹر مخالف ہے۔ ادھر حماس بھی اسرائیل سے شدید ترین نفرت کرتی ہے۔ اسرائیلی وزیراعظم نے کہہ دیا ہے کہ اگر حماس نے فلسطینی انتخابات میں حصہ لیا تو اسرائیل امن معاہدے سے ہاتھ واپس کھینچ لے گا۔

چرچ کی معذرت

دی چرچ آف انگلینڈ نے مسلمانوں کو پیشکش کی ہے کہ اگر برطانوی حکومت عراق پر فوجی حملے کی معذرت ان سے نہیں کرے گی تو اس کے بجائے چرچ معذرت کرنے کے لئے تیار ہے۔ یہ پیشکش ایک رپورٹ میں کی گئی ہے جو حال ہی میں چرچ ہاؤس آف بشپس نے تیار کی ہے۔ اس ضمن میں بشپ آف آکسفورڈ' رائٹ ریورنڈ رچرڈ ہیرس کا کہنا ہے: ''ہم سمجھتے ہیں کہ ہمیں مسلمانوں کے ساتھ مفاہمت کر لینی چاہیے۔ یہ ایک ایسا کردار ہے جو شاید ہماری حکومت ادا نہیں کر سکتی''۔

Iraq and support of the oppressive dictators throughout the Muslim world that drives people to react. To Fox, Galloway's "self-righteousness is matched only by his stupidity." Galloway's like attempts at shattering the myths spread by modern day tyrants is considered "quite ridiculous."[4]

Same is the attitude towards the truth diggers and critics of Bush policies in the US. These are characteristics of antirational approach. Bush is hardly acting different from Mussolini, who gloried in his inconsistencies and claimed: "My program is action, not thought." Bush, too, was told by God to go to war and so he did. There is no scope for discussion on this issue any more. The time is not far away when Bush's followers would respond to all intellectual criticism of the Bush movement in the words of Mussolini's followers, who had learnt to reply, 'We think with our blood."

Compare the "our way of life" and "our values" rhetoric from Bush and Blair with what Mussolini at last could say: "We have created our myth; it is a faith, a passion. . . . It is a reality by virtue of being a spur, a source of courage. Our myth is the nation, the greatness of the nation. And to this myth, this grandeur. . . we subordinate all the rest." So if 21st century fascists go to Iraq and Afghanistan to kill hundreds of thousands of people to impose their way of life, it is perfectly ok. Yet if others don't even claim a war on Bush and Blair's way of life, just a criticism of their policy is enough to be criminalized as extremism because it 'indirectly' supports a war on their 'way of life' which is nothing but Anglo-American absolutism.

Notes

[1] See The Prince by Niccolo Machiavelli. Trans. by W. K. Marriott. Everyman's Library edition. Published by E. P. Dutton & Co., Inc. and used with their permission and that of J. M. Dent and Sons, Ltd., London.

[2] Hegel: Selections, edited by J. Loewenberg. Copyright 1929 Charles Scribner's Sons; renewal copyright 1957.

[3] G. Sorel, Letter to Daniel Halevy. Copyright 1950 by The Free Press, a corporation. These passages are from Reflections on Violence, originally written in 1906, translated by T. E. Hulme and J. Roth.

[4] "Galloway says Blair and Bush 'have blood on their hands'," Guardian, Press Association, Friday August 5, 2005

رفقاء و احباب نوٹ فرما لیں

تنظیم اسلامی کا سالانہ اجتماع

13، 14، 15 نومبر (اتوار، پیر، منگل)

بمقام: فردوسی پارک، موضع دراجکے (سادھوکی) منعقد ہوگا۔

المعلن: ناظم نشر و اشاعت تنظیم اسلامی پاکستان

طوبیٰ گرلز کالج لاہور

داخلہ جاری ہے

برائے انٹرمیڈییٹ و بی اے کلاسز

☆ دینی ذہن رکھنے والے گھرانوں کی بچیوں کے لیے تعلیمی و تربیتی مرکز

☆ قابل اور کوالیفائیڈ فیکلٹی

☆ باپردہ ماحول اور دینی تعلیم و تربیت کی اضافی سہولت

☆ لاہور بورڈ اور پنجاب یونیورسٹی میں نمایاں پوزیشنیں

☆ قریبی علاقوں سے ٹرانسپورٹ کی سہولت

78، سیکٹر A-1، ٹاؤن شپ لاہور۔ فون: 5114581

فلک سیر (ٹورسٹ) ریزورٹ ساگز ریسٹورنٹ ملم جبہ، سوات

9,600 فٹ بلندی پر واقع وادی سوات کے نہایت دلفریب اور

پرفضا مقام **ملم جبہ** میں قیام و طعام کی بہترین سہولتوں سے آراستہ

جدید تعمیر شدہ شاندار ہوٹل

مینگورہ سے چالیس کلومیٹر کے فاصلے پر اور سیاحت کارپوریشن پاکستان کی چیئر لفٹ سے چار کلومیٹر پہلے کھلے، روشن اور ہوادار کمرے، نئے قالین، عمدہ فرنیچر، صاف ستھرے ملحقہ غسل خانے، اچھے انتظامات اور اسلامی ماحول

رب کائنات کی خلاقی و صناعی کے پاکیزہ و دلفریب مظاہر سے قلب و روح کو شاد کام کرنے کا بہترین موقع

تحریکی بھائیوں کے لئے خصوصی رعایت

فلک سیر کارپوریشن، جی ٹی روڈ، امانت کوٹ، مینگورہ سوات

فون دفتر: 0946-725056، ہوٹل: 0946-835295، فیکس: 0946-720031

Vol: 14 Regd. No. LRL -50 No.37

Weekly Nida-e-Khilafat Lahore

View Point

Abid Ullah Jan
(e-mail: abidjan@tanzeemorg)

Anglo-American Absolutism

Patriot Acts and attempts to convince people to give up more privacy and liberty for security are nothing new. The theory that absolute power in the hands of the sovereign is a necessary condition for a well-ordered state is very old. Well-ordered world is a recent addition to it.

Exemplifications of this theory in the Oriental societies of antiquity, as in the tyrannies of classical Greece and Rome, are too many and too well known to detail. Yet it was only with the rise of modern absolutism in Europe during the fifteenth and sixteenth centuries that this theory of political organization received its clear philosophical statement. 21st century absolutist regimes in the US and UK are now giving the same theory the much sought for legitimacy over the last few years.

During the fifteenth and sixteenth centuries the national state was becoming the typical and paramount political institution in Western Europe. The monarch was coming to be viewed as the supreme earthly power, divinely instituted as ruler, and representing in his person the will and interest of the state. Actual political tensions most frequently took the form of conflicts between the governing power of the sovereign, on the one side, and the several individuals and institutions within the nation, on the other.

Democracy is now sold as the final outcome of struggle for a perfect governing system. A closer look reveals that the countries who are out on a killing spree for imposing their will in the name of democracies abroad have hardly over come the tension and tendencies to dominate through lies and deception which the earlier monarchies faced in Europe.

Niccolo Machiavelli (1469-1527) was one of the most remarkable and influential political philosophers of early modem Europe. He had no illusions about the immediate needs of Italy, in which unity could be achieved and maintained, he believed, only through the vigorous and ruthless rule of a strong man - The Prince - after whom he named his most famous work.

Bush and Blair are not called kings or princes today. Nevertheless, they have put Machiavellian philosophy into practice in the 21st century more than anyone since Machiavelli. To him cruelty, bad faith, deception, and other modes of conduct that are clearly vicious when practiced by private citizens may be essential for the security of the Prince rule. If their use does result in the stability and prosperity of his reign and the greater well-being of his subjects, then the Prince is deeply justified in resorting to such practices. A realistic analysis of his work, the Prince, would show as if the 21st century despots in US and UK have followed Machiavelli's work to the letter as a manual.[1]

Later on, Hegel and his followers were motivated by factors similar to those that had influenced Machiavelli and Bodin so many years before-and, indeed, Hegel referred to Machiavelli as a true political genius. They were the Samuel Huntington and Bernard Lewis of that age. Like the neo-cons seeking justification in the work of academic GIs, both communists and fascists borrowed elements of the philosophy of Hegel. The same elements are obvious in the approach of Bush and Blair's justifications for their crimes against humanity and their consolidation of police states at home and abroad.

Regurgitation of freedom and democracy is not something new, nor does frequent use of these terminologies turns a tyrant into a noble leader. Tyrant or their philosophical backers never claim they are against freedom. Hegel, too, made his argument presentable on the advocacy of freedom. He argued: "The true State is the ethical whole and the realization of freedom. It is the absolute purpose of reason that freedom should be realized." [2] Yet he supported the idea of absolute monarch, such as the absolute presidents and prime ministers of the modern world. Hegel argued: "It is often maintained against the monarch that since he may be ill-educated or unworthy to stand at the helm, it is therefore absurd to assume the rationality of the institution of the monarch." To him this was a false "presupposition." In his view, "one must not therefore demand objective qualification of the monarch; he has just to say 'yes' and to put the dot upon the 'i.'" This is exactly what the forces behind the throne in imperial Washington expect from puppets like Bush to do.

Worse still is the deadly embrace of irrationalism by Bush, Blair and their promoters which defy every logical and objective analysis. Their policies and proposals urge the abandonment of intellect as the ideal ruling faculty in political affairs and its replacement by some nonintellectual function. Myths and slogans are preferred over explanation and analysis. "Sentiment" for our way of life, "inspiration" from the myths of an imaginary enemy, "passion" for combating evil, "intuition". as a justification for going to war, "force" as the only solution and "will" to achieve the pre-determined objectives — all have served as names for the dynamic but non-rational director of political activity believed appropriate by followers of the Bush-Blair school of thought.

The clearest expression of political irrationalism in the past is found in the works of Georges Sorel, whose doctrine of the social myth has had great influence upon fascist philosophy in the twentieth century. A true myth, said Sorel, does not aim to provide a rational conception of a future society but is a vision, a dream, a great emotional force that can inspire violent activity. Such myths are not to be subjected to scientific analysis or rational discussion. To the contrary, Sorel held that their nature puts analysis out of the question and that their advocates must refuse to engage in any intellectual discussion of their virtues. The function of a myth, above all, is mass inspiration; "the myths are not descriptions of things," Sorel said, "but determinations to act."[3]

From the myth of Al-Qaeda to the 'US under attack', 'they hate our freedoms', to the myth of 'poisonous interpretation' of Islam being responsible for the attacks on the US and UK, Bush and his company are doing exactly the same thing: avoiding real discussion and showing determination to act. Instead, foreign secretary, Liam Fox, called George Galloway, a "sad and twisted but ultimately irrelevant politician" when he said in clear terms that it is the occupation of Palestine, Afghanistan and